قادری، چشتی، کمال اللّٰہی سلسلہ کی روحانی تعلیمات

سلوک کے

دو اہم مدارج

تالیف

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صاحبزادہ و جانشین

سلطان العارفین حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بہ اہتمام

ڈاکٹر محمد طاہر علی بی۔یو۔ایم۔ایس۔(عثمانیہ)

مکان نمبر: 19-4-278/A، غوث نگر، نواب صاحب کنٹہ، حیدرآباد۔ ۵۳ - فون: 9848362730

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قادری، چشتی، کمال اللّٰہی سلسلہ کی روحانی تعلیمات

سلوک کے

دو اہم مدارج

تالیف

حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صاحبزادہ و جانشین

سلطان العارفین حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بہ اہتمام

ڈاکٹر محمد طاہر علی بی.یو.ایم.ایس.(عثمانیہ)

مکان نمبر: 19-4-278/A، غوث نگر، نواب صاحب کنٹہ، حیدرآباد۔ ۵۳-فون: 9848362730

تفصیلاتِ کتاب

نام کتاب : سلوک کے دو۲ اہم مدارج

مؤلف : حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم
صاحبزادہ وجانشین
عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سن اشاعت : ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء

تعداد : ایک ہزار

کتابت : شکیل کمپوزنگ سنٹر
روبرو فائر اسٹیشن، سیلر، متصل مسجد رضیہ، جدید ملک پیٹ، حیدرآباد-۳۶
فون: 9391110835, 9346338145

طباعت : عائش افسیٹ پرنٹرس
روبرو فائر اسٹیشن، سیلر، متصل مسجد رضیہ، جدید ملک پیٹ، حیدرآباد-۳۶
فون: 9391110835, 9346338145

قیمت : **Rs. 20/-** بیس روپئے

بہ اہتمام

ڈاکٹر محمد طاہر علی بی۔یو۔ایم۔ایس۔ (عثمانیہ)

مکان نمبر: **19-4-278/A**، غوث نگر، نواب صاحب کنٹہ، حیدرآباد۔ ۵۳ - فون: **9848362730**

فہرست مضامین

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۵
۲	اللہ اور غیر اللہ	۱۲
۳	آثار	۱۳
۴	عبادت کی اہم قسمیں	۱۵
۵	عبادت لفظی/عبادت اعتقادی	۱۶
۶	عبادت بدنی/عبادت مالی	۱۷
۷	عبادت؟	۱۸
۸	حقیقت عبادت	۲۱
۹	ایاک نعبد!	۲۳
۱۰	استعانت خدا ہی سے کیوں؟ فاعل حقیقی کون؟	۲۶
۱۱	توحید افعالی کے قرآنی دلائل	۲۸
۱۲	توحید فی الافعال کے استدلال قرآنی	۲۹
۱۳	اللہ تعالی کے فاعل حقیقی ہونے کے دلائل	۳۰
۱۴	خلق وکسب میں راہِ حق	۳۵
۱۵	استمداد کی یہ شکل؟	۳۶
۱۶	استعانت کی تفصیل	۳۷
۱۷	عموماً دھوکہ یہاں سے ہوتا ہے	۳۸
۱۸	ضروری وضاحت اور دائرۂ ادب/خلاصہ کلام	۴۰

صفحہ نمبر	عنـــاوین	سلسلہ نمبر
۴۱	وسیلہ کا جواز	۱۹
۴۳	استعانت باعتبار ربوبیت کی چند صورتیں/ شاہ کلید	۲۰
۴۷	فرق در ذات وصفات	۲۱
۴۸	صحیح مسلک	۲۲
۵۱	چند اہم آدابِ دعاء	۲۳
۵۴	دعاءِ غلام	۲۴
۵۵	مناجات	۲۵
۵۷	توبہ کی جامع تفصیل	۲۶
۵۸	حقیقت توبہ/توبہ کس کی قبول ہوتی ہے کس کی نہیں؟	۲۷
۵۹	حصول توبہ کیلئے کیا کریں؟/شرعاً توبہ کا مفہوم/توبہ کی حقیقت سلسلہ کی تعلیم کے لحاظ سے	۲۸
۶۰	توبہ کی خاص قسمیں/ شاندار مثال/توبہ کا عام طریقہ	۲۹
۶۱	توبہ کا ایک خاص طریقہ/شانِ غفاری	۳۰
۶۲	استغفار کی برکت/ دریائے رحمت کا جوش	۳۱
۶۳	توکل کیا ہے/توکل کی اقسام واحکام	۳۲
۶۴	شہمیری بات/نظر مسبب پر!	۳۳
۶۵	حقیقت توکل اور اعتدال	۳۴
۶۶	توکل کے حصول کا طریقہ/نعمت اور مصیبت کی حقیقت واحکام/ حالات کی دو قسمیں	۳۵
۶۷	جذبہ شکر کی تحصیل کا طریقہ/نعمتوں کے تین اعتبارات/ سادہ تمثیل	۳۶
۶۸	مصیبت کے تین پہلو/ سادہ مثال	۳۷
۶۹	مالک حقیقی کے دو قاصد اور ان کا استقبال	۳۸
۷۰	شاندار استقبال کیجئے	۳۹
۷۱	دوسرا قاصد	۴۰
۷۳	لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ	۴۱
۷۴	سلوک الی اللہ	۴۲

اِنتساب

شمال سے ولی اللّٰہی نسبت رکھنے والے اساتذہ

اور

علماء دین کے نام

اور

جنوب سے کمال اللّٰہی روحانی علوم معرفت

رکھنے والے پیرانِ طریقت

کے نام

جن کی صحبت بابرکت اور فیضان توجہ سے

اِس کتاب کے لکھنے کی سعادت ملی۔

محمد کمال الرحمٰن قاسمی

صاحبزادہ وجانشین

عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ

پیش لفظ

سب تعریفیں اِس ذات واجب الوجود کے لئے ہیں جس نے تمام ممکنات کو جامہ وجود عطا فرمایا جنگل کے پتوں میں، ہوا کی لہروں میں، پانی کی بوندوں میں، سورج کی کرنوں میں الغرض فرشی سے لے کر عرشی نظام تک، نار سے لے کر نوری مخلوقات تک، ہر ہر ذرہ کائنات کا خالق اللہ، مالک اللہ، حاکم اللہ، رب اللہ، الٰہ حقیقی اللہ معبود حقیقی اللہ ہیں۔

اِس شہادت الوہیت الٰہیہ کے ساتھ ساتھ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اِس کے رسول ہیں۔ درود وسلام ہو اِس پاکیزہ ہستی پر جو اول ہیں باعتبار نور اور آخر ہیں باعتبار ظہور۔ ہزاروں درود وسلام ہو اِس ذات قدسی پر جو خلق وحق کے درمیان وسیلۂ عظمیٰ اور برزخِ کبریٰ ہیں۔

اور آپ کی تمام آل اور تمام اصحاب پر جن کے نفوس مزکیٰ اور قلوب مصفّٰی تھے۔ وَعَلٰی مَنِ تَبِعَهُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنُ.

میری بے ہمتی اور کم ہمتی کے باوجود، وسعت مالی نہ ہونے کے باوجود دیگر انتظامی اور علمی صلاحیتوں کے نہ ہونے کے باوجود، یہ عجیب اتفاق ہے کہ کسی نہ کسی

درجہ میں کہیں نہ کہیں قدرے تقاریر و تحریرات کا کام ہوتا رہتا ہے۔ اِن حالات میں کونسا کام سلیقے سے کیا جا سکتا ہے۔ یہی غنیمت ہے کہ تیس سے زائد چھوٹے رسالے اور کتابچے بفضل الٰہی وجود میں آئے اور گھر کے کام کاج کے باوجود بیوی بچوں نے بھی لکھنے اور پڑھنے میں بھرپور ساتھ دیا اور دے رہے ہیں، یہ سب کاوشیں قابلِ قدر اور لائق تحسین ہیں، کتابوں کی نشر و اشاعت میں شکیل کمپوزنگ سنٹر اور عائش آفسیٹ پرنٹرس کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن سبھوں کو ہر طرح کی کامیابی عطاء فرمائے اور مقاصد حسنہ کی تکمیل فرمائے۔

آمین

عبدیت کے مراتب چار ہیں:

(۱)فقر (۲)امانت

(۳)ولایت (۳)خلافت

سلوک کے منازل چار ہیں:

(۱)منزل آثار (۲)منزل افعال

(۳)منزل صفات (۴)منزل ذات

سلوک کی راہیں چار ہیں:

(۱)راہِ شریعت (۲)راہِ طریقت

(۳)راہِ حقیقت (۴)راہِ معرفت

توحید کے مرتب چار ہیں:

(۱)توحید فی المعبودیت (۲)توحید الافعال

(۳)توحید فی الصفات (۴)توحید فی الذات

یعنی......

(۱)توحید آثاری (۲)توحید افعالی

(۳)توحید صفاتی (۴)توحید وجودی

چار راہوں کا ثبوت قرآن کریم سے ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ یعنی اے اللہ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دیجئے۔

اس میں صراط یعنی شاہراہ کا تذکرہ ہے جو راہِ شریعت ہے۔

اس میں بھی چار اُمور داخل ہیں۔

ایک راستہ چلنے والا یعنی مسلمان اور دوسرے راستہ چلانے والا یعنی اللہ۔ تیسرا راستہ شریعت اور چوتھے منزل یعنی نجات آخرت اور رضا الٰہی اور مقام جنت۔

نیز ایک آیت ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْ فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا

اِس میں مذکورہ آیات میں لفظ سبل ہے سبیل کی جمع ہے سبیلین نہیں کہا بلکہ جمع استعمال کیا جو تین راہوں پر مشتمل ہے۔

علم الٰہیات میں اِن ہی راہوں کو شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت کا نام دیا جاتا ہے۔

پہلی راہ، راہِ شریعت ہر مسلمان کیلئے لازمی ہے۔ ماباقی تین راہیں اختیاری ہیں۔ راہِ شریعت میں اللہ کا علم صرف جاننے کی حد تک رہتا ہے اور راہِ طریقت میں بھی اللہ ہی کا علم رہتا ہے مگر پہچاننے کے درجہ تک رہتا ہے اور راہِ حقیقت میں جاننے اور پہچاننے سے آگے دیکھنے کے مدارج طے کرتا ہے اور راہِ معرفت جاننے، پہچاننے اور دیکھنے سے بھی آگے پانے کا مرحلہ ہوتا ہے۔ اِن چاروں کی بنیاد ایک ہی ہے۔ یعنی شریعت اِسی سے بقیہ مدارج و مراتب ہیں۔

جس طرح دودھ اصل اور دہی، مسکہ اور گھی اِس کے آگے کے مدارج ومراحل ہیں مگر اصل دودھ ہے وہ نہیں تو دہی، مسکہ، گھی نہیں بنایا جاسکتا۔ اِس طرح شریعت اصل ہے یہ نہیں تو مدارج کی ساری راہیں بند ہیں۔ ان چاروں کی بنیاد ایک ہی ہے اور اللہ کا علم ان تمام راہوں میں مشترک ہے اور علی الترتیب ہر راہ میں اللہ کو جانا، پہچانا، دیکھا پایا جاسکتا ہے جس کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

وجدانی تمثیل

جب لڑکا اور لڑکی سن بلوغ کو پہنچتے ہیں اور ان کی شادی کا مرحلہ ہوتا ہے تو طرفین سے اسم نویسی اور نام نویسی ایک دوسرے کے پاس بھجوائی جاتی ہے جس میں آباء واجداد اور خاندانی ضروری احوال کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جب یہ لڑکا اور لڑکی والوں کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو یہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں پھر جن اُمور کا اندراج اسم نویسی میں ذکر کیا گیا ہے اِس کے متعلق ہر دو فریق تحقیق شروع کردیتے ہیں اس سے تشفی اور اطمینان کرلے کر تصدیق پہچاننے کی منزل طے کرتے ہیں۔ اس سے جب مطمئن ہوجاتے ہیں تو شادی طے ہوتی ہے۔ مراسم کی ادائیگی شروع ہوجاتی ہے اور جاننے پہچاننے کے مرحلوں کے آگے دیکھنے کے درجہ پر آتے ہیں۔ اس کے بعد آخری منزل سیاہے کی تکمیل اور ایجاب وقبول کا مرحلہ طے ہوتا ہے۔ جس میں عروس حجلہ عروسی میں داخل کردی جاتی ہے تو نوشہ وہاں پہنچتا ہے اور اس کو پالیتا ہے۔

اوپر دی گئی مثال کے ذریعہ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ علماء وظواہر قرآن وحدیث کے ذریعہ اللہ کا علم حاصل کرتے ہیں اور راہِ شریعت پر کاربند رہتے ہیں۔ ضروری نقشہ اِن کے پاس بنا رہتا ہے۔ راہِ طریقت والے پہچاننے کی منزل طے کرتے ہیں۔ راہِ حقیقت والے دیکھنے والے ہیں اور حقیقت کو پہچانے

والے ہیں اور عارفین، کاملین، محققین اس کو مجاہدات اور ریاضات اور تدابیر ظاہری اور باطنی کے ذریعہ حق تعالیٰ کو پالینے کا مرحلہ پورا کر لیتے ہیں۔

جس طرح نوشہ سینکڑوں، ہزاروں لڑکیوں میں جاننے، پہچاننے، دیکھنے اور پانے کے مراحل طے کرتے ہوئے عروس ہی اس کا مقصود ہوتی ہے۔ اس طرح اِس دنیا میں صوفیاء، اولیاء بھی اِس کثرت میں اِسی وحدت یعنی اللہ ہی کو اپنا مطلوب، محبوب بناتے ہیں۔ اسے پانے کی منزل طے کرنے والوں کو اللہ والا کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ غیر اللہ سے کٹ کر اللہ ہی سے مربوط ہوتے ہیں جیسے دنیا داروں میں مال والا، زمین والا، سونے والا، چاندی والا، حکومت والا وغیرہ کہلاتے ہیں اِسی طرح دراصل اللہ کو پانے کی وجہ سے اِنھیں اللہ والا کہا جاتا ہے

اَنْ لَاخَوفٌ عَلَیہِمْ شان ہے لَا یَحْزَنُوْنَ

اللہ اللہ شان و عظمت اولیاء اللہ کی

یہی وہ لوگ ہیں جن کے راستے پر چلنے کی ہر نماز میں دعا مانگی جاتی ہے:

اِھدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ

آیت کے ذریعہ انعام یافتہ جماعتوں کی راہ چلنے کی دعا مانگی جاتی ہے۔

وہ انعام یافتہ طبقات انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

ہماری کتابوں میں عام طور پر نجات اور درجات کی اِن راہوں کے سالکین کی توضیحات اور تشریحات بتائی، سمجھائی جاتی ہیں۔ درجات اور مقامات کے حصول کی ترکیب و ترتیب بتائی جاتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کون کس درجہ پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے

کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

اللہ تک پہنچنے کیلئے جن راہوں سے گزرنا پڑتا ہے ان کو پورے شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ ہر مرتبہ کے افراط وتفریط اور اوسط کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس راستے کا رہبر بتلائے گا کہ شرکیات سے اور کفر الحاد سے کیسے بچا جاسکتا ہے۔ بدعات اور غفلتوں سے دور ہونے اور ریاضات ومجاہدات کی ترکیب تدبیر کیا ہے۔ غفلت سے نکلنے کیلئے اور یادالٰہی کو غالب رکھنے کیلئے اور راہِ ہدایت پر استقامت سے چلنے کے لئے کون کون سے اعمال بجالانا ہے۔ اِن مضامین کو تفصیلات کے ساتھ مواعظ اور تقاریر میں پیش بھی کیا گیا ہے اور اِسی میں سے دو شاندار سبق یاد دلائے گئے ہیں۔ اگلے صفحات میں اِن کو ملاحظہ کریں۔

محمد کمال الرحمٰن قاسمی

صاحبزادہ وجانشین

عارف باللہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ

اللہ اور غیر اللہ

کلمہ طیبہ میں دو ذاتوں کو سمجھنے میں بڑی سہولت ہو جاتی ہے ایک اللہ اور دوسرے غیر اللہ اور ماسوی اللہ اس سے تفہیم آسان ہو جاتی ہے۔

قرآن میں یہ جو فرمایا گیا ہے وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اللہ ہی کو الہٰ حقیقی کہا گیا۔ وہی معبود برحق ہے جو سینکڑوں آیات میں سمجھایا گیا ہے۔ اِسی طرح قرآن میں ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اللہ ہی معبود اور اللہ ہی مستعان ہے۔

الہٰ وہ ہے جو معبود و رب ہو معبودیت کے تحت عبادت ہوتی ہے اور ربوبیت کے تحت استعانت ہوتی ہے۔

آثار اللہ یا ماسویٰ اللہ کی پرستش یا عبادت کرنے یا ماسوی اللہ کو الہٰ ماننے کو شرک جلی کہتے ہیں۔ تشریک فی الاسماء سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

آثار اللہ کے شرک سے بچنے سے توحید اسمائی حاصل ہوتی ہے جو باعث دخول جنت ہے۔ یوں تو تمام ماسوی اللہ غیر اللہ آثار اللہ کہا جاتا ہے مگر آثار اللہ کے چند بھاری ضمن ہیں۔

آثار

- آفاق
  - آفاق سماوی
    - آسمان
    - سورج
    - چاند
    - ستارے
    - فرشتے وغیرہ
    - جنت
  - آفاق ارضی
    - جمادات
    - نباتات
    - حیوانات
    - انسان وغیرہ
- انفس
  - نفس
  - قلب
  - روح
  - سر (ذات)

اللہ نے دنیا کو اور اِس کی کسی چیز کو بیکار یا فضول نہیں بنایا۔ اِن میں فوائد ہیں۔ اوصاف ہیں، خصوصیات ہیں تاثیرات ہیں۔ مگر کوئی بذات خود مؤثر نہیں بلکہ ہر شئی متاثر ہے۔ یعنی اثر قبول کرنے والی ہے۔ مؤثر صرف اللہ ہی ہے یہ اللہ کا کمال ہے کہ ہر شئے کو خصوصیات عطا کرتا ہے وہ تمام اشیاء قابل استفادہ ہیں قابل عبادت نہیں۔ شریعت کا اصل اور پہلا مطالبہ اور توحیدی مطالبہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کو معبود نہ سمجھا جائے یعنی لا معبود الا اللہ کا مطالبہ ہے غیر اللہ کے قابل عبادت ہونے کی نفی ہے اور اللہ ہی کے لائق عبادت ہونے کے اقرار سے توحید اسمائی اور توحید فی المعبودیت حاصل ہوتی ہے جو باعث دخول جنت ہے۔

ہر مرتبہ کا افراط والا پہلو بھی ہے اور تفریط والا پہلو بھی ہے۔ افراط اور تفریط

سے بچ کر اوسط کو قبول کریں تو یہ مطلوب ہے اور لازم بھی۔ ایک سے زائد معبود قرار دیں تو یہ اثبات معبودین تشریک اور افراط کہلاتا ہے اور ایسی صورت میں وہ مانع دخول جنت بنتا ہے اور باعث دخول نار ہو جاتا ہے اور شرک جلی کہلاتا ہے اس لئے ایسے شرک سے بچنا فرض ہے۔ اس مرتبہ میں معبود اور صفات حق کی نفی تفریط کہلاتی ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی نفی تعطیل کہلاتی ہے وجود حق اور صفات حق کا انکار کفر والحاد ہے۔

اِس افراط و تفریط سے بچ کر توحید فی المعبودیت اوسط لازمی ہے اور باعث دخول جنت ہے۔

آثار اللہ کو اصطلاح میں منزل ناسوت بھی کہتے ہیں۔ آثار میں خصوصیت سے ۲ چیزوں کا ظہور ہوتا ہے۔

کائنات میں ہمیشہ دو چیزیں ہوتی ہیں۔ (۱) مؤثر (۲) متاثر

مؤثر	......	متاثر
خالق	......	مخلوق
مالک	......	مملوک
حاکم	......	محکوم
رب	......	مربوب
معبود	......	عابد

اگر مجاز کو حقیقت کا رنگ حصری طور پر دیا جائے تو ایسی صورت میں شرک جلی ہوگا یہ مانع دخول جنت ہے۔ راہِ شریعت والے صالحین کہلاتے ہیں جنہیں اصحاب یمین بھی کہتے ہیں۔ سیدھے ہاتھ والے کامیاب اور جنتی لوگ ہیں علم و عمل کے بعد صالحین کا نتیجہ دنیا برزخ اور حشر کے بعد جنت میں حاصل ہوتا ہے۔

عبادت اور اہم قسمیں عبادت

توحید کی دو قسمیں ہیں:.......(۱) توحید ربوبیت (۲) توحید عبادت

پہلی قسم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا کا خالق و مالک اور حاکم و رب ہے۔ اسی کے ہاتھ میں رزق و روزی ہے۔ منع وعطاء اِسی کے قبضے میں ہے۔ عزت و ذلت، حیات و ممات وغیرہ سارے اُمور میں اِس کی قدرت ہے۔ خدا کی اِس ذات کو جہاں تک ماننے کا تعلق ہے مشرکین بھی مانتے تھے۔ خود قرآن مجید میں بے شمار جگہوں پر مشرکین کے اِس اعتراف کا ذکر ملتا ہے۔ ہم یہاں سمجھنے کیلئے صرف دو آیات کا ذکر کریں گے۔ اِرشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ۔ یعنی اے محمد ﷺ آپ اِن سے دریافت کریں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اِن کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا۔

دوسری آیت میں تفصیل سے اِس طرح واضح کیا گیا۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللهَ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ یعنی اے محمد ﷺ آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان و زمین سے رزق پہنچاتا ہے اور وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ، تو اِن سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں پرہیز کرتے۔

اِن آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین خدا کی ذات کو مانتے تھے اور اس کی کئی صفات کو بھی تسلیم کرتے تھے۔ لیکن جن حیثیتوں سے خدا کی ذات

وصفات کو ماننا تھا ان کے نہ ماننے کی وجہ سے وہ ظالم کہلائے، مردود ٹھہرے، مشرک شمار کئے گئے۔

اب فرق اس طرح سمجھ میں آسکے گا اِن کا جرم اِشراک فی الذات نہیں تھا بلکہ ان کا جرم اشراک فی العبادۃ تھا جیسے ابتداء میں آپ کو بتایا گیا کہ توحید کی دوسری قسم توحید عبادت ہے۔ ہر اُمّت میں ہر نبی نے توحید کی دعوت دی ہے جس پر قرآن کی سورۃ نمل کی یہ آیت شاہد ہے۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُو اللہ اور ہم ہر اُمّت میں کوئی نہ کوئی نبی بھیجتے رہے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ اِس توحید کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کی جتنی قسمیں ہیں وہ خدا کیلئے خاص ہیں۔ حق عبادت میں لوگ غیر اللہ کو شریک کر کے شرک میں مبتلا ہوئے۔

عبادت کی کئی قسمیں ہیں......مثلاً:۔

عبادت لفظی

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زبان سے کلمۂ توحید کا اور خدا ہی کے معبود حق ہونے کا اعلان کریں۔

عبادت اعتقادی

اِس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے دل میں یہ عقیدہ گھر کر جائے خلق و امر، نفع ونقصان، عزت و ذلت، حیات وممات، رزق وروزی سب کچھ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ اتنا زبردست ہے کہ اِس کی سب پر چلتی ہے اور اِس پر کسی کی نہیں چلتی۔ اِس کی بارگاہ میں اجازت کے بغیر کوئی لب ہلا نہیں سکتا اور اِس کی بارگاہ میں کوئی اِس کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کر سکتا وہ صاحب صفات کمال ہے۔ منزہ عن النقص والزوال ہے۔

عبادت بدنی

ارکان عبادت کی بجا آوری کیلئے نماز ادا کرنا، رکوع کرنا، سجدے کرنا، قیام و قعدہ کرنا، روزے رکھنا، حج کرنا وغیرہ دعا کرنا، طواف کرنا، نذرو منت، دعا و قربانی، یہ تمام اُمور خدا ہی کیلئے خاص ہیں۔ عبادت کی اِن صورتوں کو غیر کیلئے استعمال کرنا روانہیں ہے۔

عبادت مالی

اللہ کی راہ میں اللہ ہی کیلئے اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق مال کا خرچ کرنا عبادت مالی ہے۔

غرض عبادات کی وہ تمام ہی صورتیں جو خدا کیلئے خاص ہیں اِن تمام میں وہی ایک مستحق عبادت ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ مخصوص حق کو غیر اللہ کیلئے برتتا ہے تو اشراک فی العبادۃ کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے اور توحید عبادت اِس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہم اِیَّاکَ نَعْبُدُوا وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے تقاضوں کی تکمیل نہ کریں۔

عبادت؟

ڈاکٹر میر ولی الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''قرآن اور تصوف'' میں لکھا ہے، عبادت غایت تذلل کا نام ہے، جس کا اظہار معبود حقیقی کے آگے کیا جاتا ہے، اس کے معروف طریقے نماز، روزہ، زکوۃ، حج، طواف، کعبہ، نذر و منت، قربانی، دعا وغیرہ ہیں۔ یہاں خصوصیت سے نماز کے تمام ارکان و اعمال پر غور کرو، عبادت یا اظہار ذلت کا مفہوم بخوبی تمہارے لئے دلنشین ہوگا، عابد نماز کا قصد کر رہا ہے، مصلّے کی طرف بڑھ رہا ہے، زبان پر ہے اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنَ یعنی میں اپنے رب کی طرف چلا ہوں وہ میری ہدایت کرے گا، دل غیر حق سے پاک ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات ہی لائق حمد ہے، اسی فہم کے ساتھ تکبیر تحریمہ اللّٰہُ اَکْبَر کہتا ہے اور اِنِّیْ وَجَّهْتُ کو پورے شعور سے ادا کر چکا ہے، دل پوری طرح متوجہ بحق ہے، اب نیت میں بھی خلوص ہے، بطور عادت نہیں، بطور عبادت۔ عاشقانہ نماز ادا کر رہا ہے، انہی کی حَوْل و قُوَّت سے پڑھ رہا ہے، ثنا میں حق تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا اظہار کر رہا ہے اور توحید کا اقرار لَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ سے ہو رہا ہے، اب حضوری میں دست بستہ نظر نیچی کئے ذلت و مسکنت کی تصویر بنا کھڑا ہے زبان پر جاری ہے الحمد للہ اور دل میں سمجھ رہا ہے پورے عالم میں کوئی سوائے اللہ کے مستحق حمد نہیں، جب رب العلمین کہتا ہے تو جانتا ہے لَا رَبَّ سِوَاهُ یعنی ربوبیت اسی کو زیبا ہے تمام

عالم اس کا مربوب ہے الرحمٰن الرحیم کہتے وقت عالم رجا میں داخل ہوتا ہے، رحمت و کرم کی امید دل میں پیدا ہوتی ہے، جانتا ہے کہ رحمانیت کا تعلق تو ساری کائنات سے ہے رحیمیت خصوصی شئ ہے اور مومنین سے مختص ہے، کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا، مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، کہتے وقت عالم خوف کا مشاہدہ کرتا ہے، روزِ قیامت حق ہے اور یہ وہ دن ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا، یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا۔ اسی امید و بیم کی حالت میں عرض کرتا ہے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" حق تعالیٰ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور آپ ہی سے استعانت کرتے ہیں، ماسوا اللہ سے بالکلیہ اعراض کر کے آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، آپ کے سوا استعانت کی جہت سے غیر کو کیوں پکاریں جبکہ ہمیں یہ سنادیا گیا ہے کہ آپ کے سوا کسی میں حول وقوت نہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، اس لئے وہ نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر، اس مدح وثنا اور اقرار عبودیت کے بعد دعا کرتے ہیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ اے اللہ راہ مستقیم کی ہدایت فرمائیے، نفس وہویٰ سے چھوٹیں آپ کا قرب نصیب ہو۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔ انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلنا نصیب ہو جو انبیاء اولیاء کی راہ ہے مَغْضُوْبِیْن اور ضَآلِّیْنُ کی راہ نہیں جنہوں نے غیر اللہ سے عبادت و استعانت کا رشتہ قائم کر کے ہمیشہ کے خسارے میں اپنے کو مبتلا کرلیا، اس حمد وثنا اور دعا کے ساتھ کلام ربانی کی چند آیتیں احکام خداوندی معلوم کرنے، تکرار سے ذہن میں جمانے، ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں کمانے، حق تعالیٰ سے سرگوشی کرنے بڑھتا ہے، پھر اپنی ذلت مزید ظاہر کرتے ہوئے رکوع کرتا ہے، اس حالت میں کہ اس کی زبان سے مولیٰ کی تقدیس، تسبیح، تنزیہہ وتحمید جاری ہوتی ہے۔ اپنی ذلت اور اپنے فقر کا

احساس قلب میں واضح طور پر موجود رہتا ہے، پھر جب سر اٹھاتا ہے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتا ہے، اس طرح حق تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند فرماتے ہیں جو سر معبود حقیقی کے آگے جھکتا ہے، وہ مخلوق کے آگے جھک نہیں سکتا، وہ سب سے بلند ہوتا ہے بے نیاز ہوتا ہے، وہ لاقیمت جوہر ہوتا ہے اس سرفرازی کے شکریہ میں سجدے میں گر جاتا ہے، اس طرح غایت وتذلل کا اظہار کرتا ہے اور اسی میں وہ اپنی آنکھ کی ٹھنڈک پاتا ہے وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ ۔ یہ آنکھ کی ٹھنڈک اس کو اپنے محبوب مولیٰ کے مشاہدہ سے ہورہی ہے، یہی اس کا کمال ہے اور یہی اس کی معراج ہے۔ اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ معبود کا نہ صرف خیر محض ہونا ضروری ہے بلکہ قادر مطلق ہونا بھی لازمی ہے، یہ اپنی لامحدود قوت لامتناہی طاقت کی وجہ سے ہماری حفاظت کرتا ہے، ہماری حاجتوں کو پوری کرتا ہے، مرادوں کو برلاتا ہے، اس کے اعتصام کے بعد ہمیں اس کی نصرت واعانت کا قطعی یقین ہوجاتا ہے اور چونکہ ہم اسے معبود مانتے ہیں، بلکہ اس کو فعال مطلق مانتے ہیں، آثار وافعال کا مرجع اسی کو قرار دیتے ہیں، حول و قوت کا اسی کو مبدا سمجھتے ہیں، اسی لئے اس سے استعانت چاہتے ہیں۔

چند شعر

کیا کرسکے گی میرا یہ گردش زمانہ — زور قلم سے میرے بن جائے گی فسانہ

ئے رنج وغم یہ میرا ئے یہ میری مسرت — حاصل ہوئی ہے ان سے تسکینِ جاودانہ

اے برق تو تڑپ کر خاموش ہوگئی کیوں — لے تجھ پہ گر رہا ہے اب میرا آشیانہ

حقیقت عبادت؟

اصل عبادت تو اللہ کے حکم کی تعمیل ہے جس وقت جو حکم ملا اس وقت اس حکم کی تعمیل ہی عبادت ہے۔ نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو نماز پڑھنا عبادت، زکوٰۃ دینے کا حکم ہوا تو

زکوۃ دینا عبادت، حج کرنے کا حکم ہوا تو حج کرنا عبادت، جہاد کرنے کا حکم ہوا تو جہاد کرنا عبادت، کھانے پینے کا حکم ہوا تو کھانا پینا عبادت، سونے کا حکم ہوا تو سونا عبادت، جاگنے کا حکم ہوا جاگنا عبادت، شادی کرنے کا حکم ہوا تو شادی کرنا عبادت، تجارت کرنے کا حکم ہوا تو تجارت کرنا عبادت، سچ بولنے کا حکم ہوا تو سچ بولنا عبادت، سود اور شراب چھوڑنے کا حکم ہوا تو سود اور شراب چھوڑنا عبادت، حکومت کرنے کا حکم ہوا تو حکومت کرنا عبادت، غرض سر سے لیکر پیر تک اللہ نے جتنے اعضاء و جوارح عطا فرمائے ہیں، ان کو اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا عبادت۔ کائنات میں جتنی شکلیں اور چیزیں ہیں حکم حق کے تقاضہ کے تحت اس کو پورا کرنا عبادت ہے۔

بس یہ یاد رکھئے پہلے عبادت ہے پھر استعانت۔ یعنی پہلے سر جھکانا ہے پھر ہاتھ پھیلانا یہی **اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ** کا سادہ مفہوم ہے۔

حقیقتِ عبادت

عبادت کی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت والد ماجد حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحبؒ نے فرمایا: عبادت یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام اعضاء و جوارح اور جسم و جان، ساز و سامان اور تمام چیزوں کو حکم حق کے تحت بطریقہ نبویہ استعمال کرے اور خاص طور پر زبان کو تعریف خدا میں، دل کو عرفان میں، نفس کو خدمت میں، روح کو مشاہدے میں مشغول رکھے۔

عبادات کے ذیل میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، طواف کعبہ، نذر، منت، قربانی اور دعا وغیرہ ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک عنوان اور موضوع بہت زیادہ تفصیلات کا متقاضی ہے، بلکہ ہر عنوان مستقل کتاب کا متقاضی ہے، اگر ان تمام عنوانات کو چھیڑا گیا تو کتاب بہت ضخیم ہو جائے گی اس لئے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے استعانت کی تفصیلات کو خصوصیت سے پیش کیا جاتا ہے۔

روایت ابو ہریرہؓ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا بانٹ لیا ہے، اس میں آدھا کام میرا ہے اور آدھا حصہ میرے بندے کیلئے ہے اور میرے بندے کیلئے وہ ہے جو طلب کرے، جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہتا ہے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے، حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ یعنی میرے بندے نے میری تعریف کی، جب بندہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں، اثنی علی عبدی یعنی میرے بندے نے میری ثنا کی اور جب بندہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں، مجدنی عبدی یعنی میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور جب بندہ کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں ھذا سواء بی ولعبدی یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور میرے بندے کیلئے وہ ہے جو وہ مانگے اور جب بندہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے وَلَاالضَّآلِّیْنَ تک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب میرے بندے کیلئے ہے، ولعبدی ماسئل اور میرے بندے کیلئے وہ ہے جو وہ مانگے اور چاہے۔ اس روایت سے بہت وضاحت سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ سورۂ فاتحہ بندوں کیلئے حق تعالیٰ کے خصوصی کرم کی دلیل ہے۔

اِیَّاکَ نعبد!

اِیَّـــاکَ سے پہلے تینوں جملوں اور آیات میں اللہ کا ذکر غائب کے الفاظ سے ہو رہا تھا، لیکن مذکورہ چاروں صفات کے بعد جب موصوف ذہنوں میں متعین اور مستحضر ہو گیا، الفاظ خطاب کی طرف التفات بلیغ ہو گیا اور برہان سے عیان، اور غیب سے شہود کی طرف ترقی ہو گئی۔

عبادت کے معنی انتہائی پستی اور ذلت کے ہیں، طریق معبد کے معنی پامال راستے کے ہیں، عبادت صرف نماز کا نام نہیں ہے بلکہ امام غزالیؒ نے اربعین میں عبادت کی دس قسمیں لکھی ہیں۔

(۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوٰۃ (۴) حج (۵) تلاوت (۶) دوام ذکر اللہ (۷) حلال روزی کیلئے کوشش (۸) پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی (۹) امر بالمعروف (۱۰) نہی عن المنکر۔

ان میں سے ہر عنوان مستقل مضمون بلکہ مستقل کتاب کا متقاضی ہے، اس لئے یہاں ان کی تفصیل نہیں پیش کی جا سکتی، پہلے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ لایا گیا پھر وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ لایا گیا، اگر یہ ترتیب بدل جاتی تو نسق کلام میں لطافت نہ رہتی۔ دوسری اپنی حاجت وضرورت پیش کرنے سے پہلے عبادت کو وسیلہ بنانا قبولیت دعا کیلئے مفید ہے، تیسرے یہ کہ بندے نے عبادت کی نسبت جب اپنی طرف کی تو اس میں ایک

طرح کا ادعا پایا گیا، اس ابہام کو دفع کرنے کیلئے بعد میں وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ لایا گیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی توفیق واعانت کے بغیر عبادت بھی لائق پذیرائی نہیں ہوسکتی۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ ان دونوں لفظوں کی جمع لانے میں اشارہ ہے کہ پڑھنے والا اپنے ساتھ رفقا کو بھی شریک درخواست کرلے خواہ وہ محافظ فرشتے ہوں یا نمازی، اس سے اجتماعی عبادت کی اہمیت اور نماز باجماعت کی فضیلت ثابت ہورہی ہے اور دونوں جگہ اِیَّاکَ پہلے لانے سے تعظیم، اہتمام اور حصر ہوگیا، اسلئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کے معنی اس طرح لے رہے ہیں۔

نَعْبُدُکَ وَلَا نَعْبُدُ غَیْرُکَ۔ نَسْتَعِیْنُکَ وَلَا نَسْتَعِیْنُ غَیْرُکَ۔

ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، آپ کے غیر کی نہیں اور ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، آپ کے غیر سے نہیں۔

اور حصر جس طرح عبادت میں مقصود ہے، اسی طرح استعانت میں بھی مطلوب ہے، کیونکہ اللہ ہی معبود و مستعان ہے لیکن کسی نبی، ولی یا اعمال کو وسیلہ قرار دے کر اللہ سے دعا کرنا اس حصر کے خلاف نہیں۔ (انوار القرآن)

استعانت؟؟

استعانت کا لفظ جوں ہی ہماری زبان سے نکلتا ہے عوام چونک پڑتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہنے والے نے ایک نازک مسئلہ چھیڑ دیا ہو، کبھی یہ بحث کفر وایمان کے درمیان حد فاصل کھینچ دیتی ہے، کبھی سنت وبدعت کے مباحث میں الجھا دیتی ہے، کبھی ضد اور ہٹ دھرمی سے بغض وعناد کو بڑھا دیتی ہے، جاہل تو خیر جاہل ہیں ہی، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بلکہ ہمہ دانی دعویٰ کرنے والے اس سے بھی بڑھ کر علمیت ومشیخیت کی مسند پر براجمان لوگ بھی ایک دوسرے سے دست وگریباں باطل خیالات میں مبتلا اور مفاد پرستی میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

استعانت کے کیا معنی ہیں؟ اس کا شرعی مفہوم کیا ہے، استعانت خدا ہی سے ہوتی ہے، یا غیر خدا سے؟ اگر غیر خدا سے جائز ہے تو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا اقرار کیا ہے؟ اگر جائز نہیں تو پھر آپس میں معاملت و مناصرت کیا ہے؟ کیا غیر اللہ فاعل حقیقی ہے؟ اگر نہیں ہے تو غیر اللہ کو کرتا دھرتا سمجھنا کونسی عقلمندی ہے؟ کیا غیر اللہ صفاتِ کمالیہ سے بالذات موصوف ہے؟ اگر نہیں تو دوسرے میں کمالات کو ذاتی اصلی سمجھنا کونسی توحید ہے؟ اور اگر اللہ ہی معبود اور رب ہے تو ہزاروں مزارات پر یہ لاکھوں سجدے کیوں ہو رہے ہیں؟ بے شمار عوام کے پیشانیاں شرک کی گرد سے آلودہ کیوں ہو رہی ہیں، یہ لاکھوں سر کروڑوں کے سامنے ٹیکے جانے کو دیکھ کر علامہ اقبال کیوں چیخ اٹھے؟

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ میں بندۂ مومن کی زبان سے وعدہ لیا جا رہا ہے کہ جس طرح اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے اقرار کے ذریعہ غیر اللہ کے آگے سر جھکانے سے بچنے کا حکم ہے، اسی طرح اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے اقرار کے ذریعہ غیر اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچتے رہنے کا بھی حکم ہے۔

حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے استعانت کی حقیقت اپنی ایک دعا میں اس طرح ظاہر فرمائی ہے۔ **اللھم کما صنت وجوھنا ان نسجد لغیرک فصن ایدینا ان تمتد بالسوال لغیرک**۔ یعنی اے اللہ جس طرح تو نے ہمارے سروں اور چہروں کو تیرے غیر کے سامنے جھکنے سے بچا لیا اسی طرح ہمارے ہاتھوں کو سوال کیلئے تیرے غیر کے سامنے پھیلنے سے بچالے، استعانت کی سادہ واقعی اور بہت ہی عمدہ ترتیب ملاحظہ فرمائیے۔

دو شعر

نماز و روزہ و حج و قربانی
اہم ہیں یہ عبادت کے طریقے
دعا ، توبہ ، توکل ، صبر و شکر
اہم ہیں یہ استعانت کے طریقے

☆☆

استعانت خدا ہی سے کیوں؟ فاعل حقیقی کون؟

مضمون کا یہ حصہ ضرورتاً قصداً کچھ تفصیل سے لکھتے ہیں، حضرتؒ نے فرمایا: مرتبہ صالحیت میں حق تعالیٰ کی معبودیت اور ربوبیت اجمالی کی تصدیق ہوتی ہے، اسی بات کو جب تفصیلی طور پر جانا اور مانا جاتا ہے تو مقام شہادت کہلاتا ہے، جس طرح ہر مرتبہ و محل کے علمی و عملی تقاضے جدا جدا ہوتے ہیں اسی طرح سالکین علم طریقت کے ہاں اس مرتبہ کے کچھ علمی و عملی اعتبارات ہیں، جس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ کے ارادے اور مشیت کے بغیر نہ اشیاء سے آثار نمایاں ہوتے ہیں نہ اشخاص سے افعال سرزد ہوتے ہیں، کیوں؟

اس لئے کہ حق تعالیٰ ہی ہمارے اور ہمارے افعال کے خالق ہیں، جیسا کہ خود قرآن مجید میں کہا گیا ہے وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی تمہارے اور تمہارے اعمال کے اللہ ہی خالق ہیں، اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے، بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ یعنی ہر چیز اسی کے اقتدار و اختیار میں ہے۔

ان مذکورہ نصوص صریحہ سے یہ ثابت و واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی فاعل حقیقی ہیں اور اللہ کیلئے فعل ذاتی ہے بندے کی طرف فعل کی نسبت امانتی ہے، بندہ اپنے اختیار کے استعمال میں اللہ کے فعل تخلیق کا محتاج ہے اور اللہ کے فعل تخلیق سے

بندے کے اعمال کا ظہور ہوتا ہے اور بندہ فعل تخلیق میں اللہ کا محتاج ہونے کے سبب کاسب کہلاتا ہے اور اس کے فعل کو کسب کہا جاتا ہے۔ بندے کی ذات میں قبولیت فعل الٰہی کی جو استعداد ہے اسی کا نام وسعت و اختیار ہے، جس کی وجہ سے بندہ اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب پر مکلّف کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ فعل کا تعلق قوت و ارادے سے ہے اور قرآن سے کھلے طور پر ثابت ہے کہ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اللہ کی ذات ہے اور یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ کا لفظ بھی بتلاتا ہے کہ حیات و ممات کے عطا کرنے والے وہی ہیں۔ اور اِنَّ اللہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ کے الفاظ قرآنی بتلاتے ہیں کہ علم اللہ کی اصلی ازلی صفت ہے اور اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ کا لفظ بتلاتا ہے کہ اللہ اپنی ساری مخلوقات کو قبل تخلیق اور بعد تخلیق جانتا ہے اور اِنَّ اللہَ یَفْعَلُ مَایَشَآءُ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ اور اس جیسے قرآنی جملے نشاندہی کرتے ہیں کہ اللہ ارادے کے مالک حقیقی ہیں اور اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور ان جیسے قرآنی جملے اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ قدرت رکھنے والی ذات اللہ کی ہے۔ چونکہ یہ صفات کمال حق تعالیٰ ہی کے ہیں، اسلئے یہ بات مسلم ہے کہ بندے سے فعل کا صدور اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے عطا نہ کی جائیں۔ لہٰذا اب یہ بات سمجھنی مشکل نہ ہوگی کہ بندہ ہر گھڑی اللہ کا محتاج ہے اور رب اپنی ربوبیت کے ذریعہ اس بندے کے احتیاج دور کرتا ہے اور اپنے تمام کاموں کے ظہور اور اس کی تکمیل کیلئے حق تعالیٰ کا محتاج ہے، اسی لئے اس مرحلہ میں لَا رَبَّ اِلَّا اللہ کے کلمے کی فہم دی جاتی ہے اور باعتبار تخلیق فعل حق مقصود ٹھہرا، اس لئے لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللہ کی فہم اسی مرحلہ میں دیتے ہیں اور حکم یوں لگایا جاتا ہے کہ اگر فعل کی نسبت غیر حق کی طرف

کی جائے تو شرک حقیقی لازم آتا ہے اور تخلیق فعل کی نسبت حق کی طرف ہو تو توحید فعلی پر قائم رہتا ہے۔

توحید افعالی کے قرآنی دلائل

نَحۡنُ خَلَقۡنٰكُمۡ فَلَوۡلَا تُصَدِّقُوۡنَ۝ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تُمۡنُوۡنَ۝ ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ۝ نَحۡنُ قَدَّرۡنَا بَيۡنَكُمُ الۡمَوۡتَ وَمَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِيۡنَ۝ عَلٰٓى اَنۡ نُّبَدِّلَ اَمۡثَالَكُمۡ وَنُنۡشِئَكُمۡ فِىۡ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۝ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ النَّشۡاَةَ الۡاُوۡلٰى فَلَوۡلَا تَذَكَّرُوۡنَ ۝ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ۝ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ ۝ لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنٰهُ حُطٰمًا فَظَلۡتُمۡ تَفَكَّهُوۡنَ ۝ اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَ۝ بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ۝ اَفَرَءَيۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِىۡ تَشۡرَبُوۡنَ۝ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ۝ لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا فَلَوۡلَا تَشۡكُرُوۡنَ ۝ اَفَرَءَيۡتُمُ النَّارَ الَّتِىۡ تُوۡرُوۡنَ ۝ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِئُوۡنَ نَحۡنُ جَعَلۡنٰهَا تَذۡكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِيۡنَ۝ (پ۲۷ ع۱۵)

اللہ رب العزت نے صرف ایک سورۃ، سورۂ واقعہ میں بہت سی آیات میں اپنے فاعل حقیقی ہونے کا ذکر فرمایا ہے، اپنی قدرت کے جلوے دکھا کر فطرت انسانی کو حقیقت نفس الامری کے قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ قرآن کی روشنی میں انفسی سیر اور وجدانی مشاہدات کے ذریعہ توحید افعالی کا تذکرہ کس خوبی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

تم جو منی پہنچاتے ہو اس کو تم آدمی بناتے ہو، یا ہم؟ موت ہم نے تمہارے لئے مقدر کر دی، ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہارے جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہاری صورتیں ہی بدل دیں، اپنی پہلی پیدائش بھی جانتے ہو پھر تمہاری عقل کہاں چلی گئی۔

اپنے بونے کو دیکھتے نہیں، اس کو تم اگاتے ہو یا ہم؟ ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کردیں، کہتے ہو کہ ہم پر ٹیکس تاوان لگ گیا، بلکہ محروم ہو گئے۔ اپنا پیا جانے والا پانی بھی کیا تمہاری نظروں میں نہیں، اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں پھر تم شکر گذار کیوں نہیں ہو؟ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو تم بناتے ہو یا ہم؟

ہم نے اس کو نصیحت اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنائی ہے، کیا تم اس کلام کو سرسری سمجھتے ہو اور تکذیب کو اپنی غذا بناتے رہتے ہو، جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی ہے اس وقت تم ٹکٹکی باندھے ہو ہم اس شخص کے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں اگر تمہارا حساب ہونے والا نہیں ہے تو تم اس روح کو کیوں لوٹا نہیں لاتے اگر تم سچے ہو۔ یہ ایک تحقیقی اور یقینی بات ہے۔

پس توحید فعلی کے یہ بے شمار ثبوت بتلاتے ہیں کہ اصلی قدرت و طاقت رکھنے والی ہستی اللہ ہی کی ہے۔

توحید فی الافعال کے استدلال قرآنی

سورہ نجم کی حسب ذیل آیات توحید فی الافعال کو سمجھنے میں کافی مدد دیں گے، پڑھئے اور سمجھئے!!

وَاَنَّهٗ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۝ اِنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝ وَاِنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۝ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۝ وَاِنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۝ وَاِنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝ وَاِنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَ نِ الْاُوْلٰى وَثَمُوْدَ فَمَا اَبْقٰى ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۝ (پ۲۷ ع۷)

اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ

کہ وہی دونوں قسم یعنی نر و مادہ نطفہ سے بنا تا ہے جب رحم میں ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا حسب وعدہ اس کے ذمہ ہے اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور سرمایہ دے کر محفوظ اور باقی رکھتا ہے اور یہ کہ وہی شعریٰ ستارے کا مالک ہے اور یہ کہ اس نے قدیم قوم عاد کو اس کے کفر کے سبب ہلاک کیا اور ثمود کو بھی ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کیا، بیشک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے۔

ان آیتوں سے واضح ہے کہ وہی ہنسانے والے، وہی رلانے والے، وہی زندہ کرنے والے اور وہی مارنے والے۔ مذکر و مونث کو پیدا کرنے والے وہی، غنی بنانے والے ہی، فقیر بنانے والے وہی، ختم کرنے والے وہی، اور باقی رکھنے والے وہی، خدا کرے کہ یہ توحید فعلی کی یہ منصوص آیات انکشاف حقائق کا ذریعہ بنیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم خلق فعل اور کسب فعل میں فرق مراتب کا خیال رکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ کے فاعل حقیقی ہونے کے اور دلائل

(۱) سورہ صٰفّت میں ہے۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ اور اللہ ہی نے پیدا کیا تم کو اور تمہارے اعمال کو معلوم ہوا کہ اشخاص اور افعال و اعمال کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتے ہیں۔

(۲) اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیٍٔ (زمر)......یعنی اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، ظاہر ہے کہ شیٔ عام ہے اس کا اطلاق افعال و اعمال پر بھی ہوگا۔

(۳) سورہ نساء کی ایک آیت میں کہا گیا ہے: قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔ آپ کہہ دیجئے اے محمد ﷺ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی بہ لحاظ تخلیق خیر و شر کا ظہور اللہ ہی کی طرف سے۔

(۴) سورہ دہر میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے وَمَا تَشَآؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔ یعنی تم نہیں چاہتے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہیں۔

(۵) مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ اور جو تجھے بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے۔

(٦) اسی طرح سورۂ کہف میں ہے کہ وہ قوت کا مالک ہے اور فعل کا تعلق چونکہ قوت و ارادے سے ہے، لہٰذا فَعَّالُ لِّمَا یُرِیْدُ اور لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کی آیات کے یہ حصے بتلاتے ہیں کہ خلق فعل کی نسبت اللہ کی جانب کی جانی چاہئے۔ اسی بنیاد پر قرآن مجید میں سورۂ آل عمران کی اس آیت کے پڑھنے سے ایمان ویقین میں مزید قوت پیدا ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ۔ سورہ آل عمران کی اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ اے اللہ تمام ملک کے مالک آپ جس کو چاہیں ملک دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں جس کو چاہیں عزت دیتے ہیں جس کو چاہیں ذلیل کر دیتے ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں بھلائی ہے۔ نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

سلوک الی اللہ کی یہ دوسری منزل میں اپنی اور دیگر مخلوق کی مملوکیت ومحکومیت میں حق تعالیٰ کی مالکیت وحاکمیت کا استحضار ہے تا آنکہ اپنی مالکیت و حاکمیت فنا ہو جائے۔ دوسری منزل منزلِ ملکوت میں جو اس کتاب کا اہم حصہ ہے، اشیاء کے آثار اور اشخاص کے اعمال میں حق تعالیٰ کے افعال کا مشاہدہ ہے اس کی مشق اور اس کا مجاہدہ اتنا ہونا چاہئے کہ اپنی اور مخلوقات کی احتیاج واضح ہو جائے اور حق تعالیٰ کی ربوبیت وفاعلیت کھل جائے۔ تخلیق فعل کی نسبت خلق کی طرف نہ رہے۔ یاد و غفلت کی وجہ سے بین الشہداء، درجات رہیں گے، مگر ایمان وتصدیق سے مقامِ شہادت

حاصل ہو جانے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ فعل وقوت کو مخلوق کا ذاتی سمجھنا اس مقام کا شرک ہے، جس کو شرک خفی فرمایا گیا ہے، یہ شرک مانع درجات جنت ہے، یہاں مخلوق کے کسبیات کا یا اپنے کسب کا انکار کرنا اس مرتبہ کا کفر ہے۔ تخمین وظن کی موشگافیوں میں مبتلا ہو کر وساوس شیطانی میں جبر وقدر کے مباحث پیدا کرنا بدعت ہے یادو توجہ بحق اس مقام کا حسنہ اور توجہ بہ غیر حق غفلت وفسق ہے۔ ملکوت کا لفظ ملک سے بنا ہے جس کے معنی فرشتے کے آتے ہیں چونکہ راہ طریقت کا سالک عملاً فرشتوں سے مشابہ ہو جاتا ہے، اس لئے اس منزل کو منزلِ ملکوت کہا جاتا ہے۔ یہاں ایک سوال فطری طور پر پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق تو مٹی سے ہوئی ہے اور فرشتے نور سے پیدا ہوئے ہیں تو انسان کی ملائکہ سے مشابہت کیسے ہو سکتی ہے؟

اس کو سمجھنے کیلئے قرآن کی اس آیت پر غور فرمایئے جس میں فرمایا گیا ہے یَفۡعَلُوۡنَ مَایُؤۡمَرُوۡنَ یعنی انہیں جس بات کا حکم دیا جاتا ہے بلا چوں وچرا حکم حق کی تعمیل کرتے ہیں اس طرح ایماندار اور مسلمان کے عمل پر غور کیجئے وہ بھی وہی عمل کرتا ہے، جس کا حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے لہٰذا انسان فرشتوں کی سی صفات کا آئینہ دار بن جاتا ہے، دوسرے یہ کہ ملکوتی وصف کے اعتبار سے سرعت سیری بھی ہے اسی طرح انسان بھی خاص مفہوم میں سریع السیر ہوتا ہے۔

ایک مثال

فٹ بال کثیف ہے مگر ہوا لطیف ہونے کے باوجود اس میں مقید ہے، سائنسدانوں نے ہوا جیسی لطیف چیز کو مقید کرنے ایک لطیف چیز بلاڈر کو تیار کیا، اس طرح فٹ بال اچھلنے اور سریع السیر ہونے کے قابل ہوا۔ اسی طرح انسانی جسم کثیف ہے اس میں ایک الطف چیز روح انسانی ہے، اس کو مقید کرنے کیلئے ایک درمیانی بلاڈر تیار کیا گیا ہے، اسے جسم مثالی کہتے ہیں اس طرح روح اس میں مقید ہوئی اور عالم

خواب پر غور کیجئے کہ کس طرح انسان اپنے جسم مثالی کے ساتھ سریع السیر ہو جاتا ہے۔

بندے کی یہ احتیاجی نسبت جس قدر واضح ہوگی، حقیقت کھل جائے گی کہ موت وحیات، نفع وضرر، فقر وغنا، عزت وذلت، منع وعطا اللہ ہی کے قبضہ واختیار میں ہے، وہ فاعل ومختار مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے، جب یہ حقیقت منکشف ہونے لگتی ہے تو بے شمار اموراس کی زندگی میں حال بن کر داخل ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً دعا، توبہ، توکل، صبر، شکر وغیرہ اس کا خصوصی حال بن جاتے ہیں۔ اگر محض علم نہیں بلکہ تحقیق ہوگئی ہے کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہیں تو استعانت کے طریقے آسان ہو جاتے ہیں، اور ہم اپنے تمام امور اس کے تفویض کرنے میں خوشی سے آمادہ ہو جائیں گے۔ جب قلب میں یہ یقین بیٹھ جائے کہ ہر شئ میں اثر وقوت وحرکت حق تعالیٰ ہی پیدا کرتے ہیں اور میری اقتضاء فطرت کے عین مطابق افعال کی تخلیق فرمارہے ہیں۔ میرا اقتضا میرا اختیار ہے لیکن فعل کی تخلیق اللہ کی جانب سے ہوری ہے، اس لئے اسباب قطعیہ کے استعمال واختیار کا مجھے علم ہے۔ حکم کے تحت میں ان کو استعمال کرنا جانتا ہوں کہ بھوک کی تشفی کیلئے نوالہ کا اٹھانا اور اس کا چبانا اور حلق سے نیچے اتارنا قطعی ضروری ہے توکل یہاں ترک عمل یا تعطل کا نام نہیں، علم وحالت کا نام ہے، قلبی کیفیت کا نام ہے، اس یقین کا نام ہے کہ ہاتھ میں حرکت، قدرت فعل سب حق ہی کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں، ان کی مشیت اور ارادے سے پیدا ہوتے ہیں، وہ چاہیں تو نوالہ منہ تک نہ پہنچے، ہاتھ شل ہو جائے، کھانا بھی چھن جائے، نظر ان کے فعل پر ہے ہے خصوصی فضل پر ہے۔

دادا پیر حضرت شاہ محمد حسینؒ (ناظم عدالت ونپرتی) خلق فعل کسب فعل کے فرق کو سمجھاتے ہوئے اللہ کی مراد پر راضی ہونے اور راضی برضائے الٰہی ہونے کو سمجھاتے ہوئے فرمایا ہے کہ: حق تعالیٰ کا جو بھی سلوک ہمارے ساتھ میں ہے وہ حکیم ہیں، تحت

حکمت ہے، عادل ہیں، تحت عدل ہے۔ رحیم ہے، باقتضاء رحمت ہے ہم ان کے محبوب ہیں، براہ رحم ہے جو سلوک اس قدر جمالی نسبتوں کے ساتھ ہو وہ قطعاً بجا اور درست ہے اور سمجھنے اور کہنے کے قابل ہے، اصحاب یمین کا یہ بلند ترین مقام ہے، رضا بالقضا کو سمجھنے میں بڑی غلطی کی جارہی ہے، کہا جاتا ہے کہ سعی اور دعا منافی رضا ہیں، حالانکہ قضاء وہ فعل الٰہی ہے جو کسی نہ کسی صورت سے ظہور میں آئے گا رضا کا تعلق فعل الٰہی سے ہے، نہ کے صورت مقضیٰ بہ سے۔

مجھ پر دو حق ہیں، اللہ کا اور اللہ کی مخلوق کا۔ میری اپنی صورت بھی اللہ ہی کی مخلوق کی ہے، اللہ کا حق یہ ہے کہ میں ان کے ہر فعل پر راضی رہوں اور صورت (مخلوق) کا حق یہ ہے کہ جس صورت سے قضا کا ظہور ہوا ہے اس کے دفعیہ کیلئے تحت امر جدو جہد اور اللہ سے دعا کرتا رہوں جو منافی رضا نہیں، مثلاً ایک ہاتھ میں زہر سرایت کر جاتا ہے، ڈاکٹر آپریشن کرتے ہیں، آپریشن سے قبل راضی ہے آپریشن سے جو زخم پیدا ہو جاتا ہے اس کو مندمل کرنے کیلئے تدابیر اختیار کرنا منافی رضا نہیں۔

حکیم نے کڑوی دوا پلائی ہے، دوا کے اثر اور فعل حکیم سے قطعاً رضا ہے مگر دوا کی تلخی و ناگواری کو رفع کرنے کیلئے خوش ذائقہ اشیاء کا استعمال اس رضا کے منافی نہیں ہوسکتا، ان ہی غلط فہمیوں کی وجہ سے آج دین ہمارے لئے مشکل ہو کر رہ گیا ہے، حق تعالیٰ نے جس حال میں ہم کو رکھا ہے وہی ان کی مراد ہے، اور تحت امر جدو جہد کرنا اور دعا کرنا بھی حق کی مراد ہے اور اللہ کی مراد کو اپنی مراد بنالینا ہی رضا بالقضا ہے، اس مقام پر فائز ہونا انتہائی سعادت اور موجب غنا قلبی ہے۔

وارض بما قسم اللہ لک تکن اغنی الناس (مشکوۃ)

اس مرتبہ دوم میں فعل کی حقیقت سمجھائی جاتی ہے اس طور پر کہ فعل کی حقیقت حرکت ہے اور حرکت کی دو نسبتیں ہیں، ایک حق کی طرف ہے جسے نسبت الٰہیہ کہتے

ہیں اور دوسرے خلق کی طرف سے ہے جسے نسبت عبدیہ کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس مرحلہ میں خلق فعل اور کسب فعل کا فرق خوب اچھی طرح پیش نظر رکھنا چاہئے کیونکہ اس موقع پر خطرات بھی لگے ہوتے ہیں۔ نیز اس مرحلہ میں اس بات کا جاننا اور سمجھنا لازم ہے کہ فعل کے ظہور کیلئے چار صفات کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) حیات۔ (۲) علم۔

(۳) ارادہ۔ (۴) قدرت۔

اگر ان میں سے ایک بھی نہ رہے تو فعل صادر نہیں ہوسکتا اور آیات قرانیہ سے منصوص طور پر معلوم ہے کہ حیات کے دینے والے اللہ ہیں، علم کے دینے والے اللہ، ارادہ کے دینے والے اللہ، قدرت کے دینے والے اللہ، لہٰذا یہ بات طے ہے کہ بندہ سے فعل اس وقت تک صادر نہیں ہوسکتا جب تک اللہ کی طرف سے یہ صفات عطا نہ کی جائیں۔

خلق وکسب میں راہ حق

اگرچہ کسب افعال کا مسئلہ بہت صاف ہے لیکن جب تک سر کسب کو نہ سمجھو تے تو اس وقت تک یہ مسئلہ کماحقہ واضح نہیں ہوتا لیکن اتنا یاد رکھئے کہ تمہارے جن افعال کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب نہیں ہوسکتی وہ تمہارے ہی افعال ہیں، جن کو کسب کہتے ہیں مثلاً کھانا، پینا، چلنا پھرنا، پیشاب پاخانہ، رونا ہنسنا، سونا اونگھنا وغیرہ اس طرح کے جتنے افعال ہیں جو تم سے صادر ہوتے ہیں، ان کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب کی جائے گی تو کفر ہوگا اگرچہ یہ بات طے ہے کہ تمہارے تمام افعال حق تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ظہور میں آتے ہیں پس اپنے ہر فعل کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف اس فعل کی تخلیق کا ادراک رکھو۔ حق تعالیٰ کے فعل تخلیق کے اعتبار سے راضی برضا و راضی بہ قضا رہو اور مخلوق کے فعل کے اعتبار سے رنج وشکوہ انتقام ناپسندیدگی جو

مناسب حال ہو ظاہر کر سکتے ہو۔

جنہوں نے اپنی کسبیات کا انکار کیا وہ جبری ہو گئے، برخلاف اس کے جنہوں نے اللہ کے تخلیق افعال کا انکار کیا اور خود اپنے کس مستقلاً خالق فعل سمجھا وہ قدری ہو گئے یہ دونوں فرقے گمراہ ہیں، اہل سنت حق تعالیٰ کو خالق فعل اور بندہ کو کاسب فعل قرار دیتے ہیں یہی راہ حق ہے۔

استمداد کی یہ شکل؟

انبیاء و اولیاء سے اس طرح دعا کرنا کہ آپ میرا کام کر دیں اولاد دیں نوکری پر لگائیں، مقدمہ میں کامیاب کر دیں، تو اس طرح سے دعا کرنا جائز نہیں، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مالابد منہ میں اسی کی وضاحت فرمائی ہے۔ ارشاد الطالبین میں مذکور ہے کہ **دعا هو العبادة** کہ جب دعا عبادت ہے تو غیر کیلئے کب جائز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلویؒ نے بھی اس طرح اولیاء اور اہل قبور سے مانگنے کو مشرکانہ جرم قرار دیا ہے۔ مجمع بحار الانوار میں علامہ محمد طاہر نے کہا کہ علماء اسلام میں کوئی نہیں جو اس کو جائز قرار دے۔ مجالس الابرار میں ہے:

> **استغاثه بهم وسوالهم النصر والرزق والعافيه والولد وقضا الديون وتفريح الكربات وغير ذلك من الحاجات اللتى كان عباد الاوثان يسالونها من اوثانهم وليس شئى منها مشروعا باتفاق ائمة المسلمين۔**

یعنی اہل قبور سے فریاد کرنا اور ان سے مدد مانگنا اور روزی، تندرستی اور اولاد اور ادائے قرض اور مصیبتوں سے نجات کی دعا کرنا اور ان کے علاوہ اور اسی قسم کی حاجتیں مانگنا جیسے کہ بت پرست اپنے بتوں سے مانگتے ہیں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی بات جائز نہیں (مجلس۔۱۷۔۱۱۹)

محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے بیٹے کو بوقت وصیت خصوصیت سے فرمایا:

علیک بتقوی اللہ وطاعۃ ولاتخف احدا ولاترجہ وکل الحوائج کلھا الی اللہ واطلبھا منہ ولاتثق باحدی سوی اللہ ولاتعتمد علیہ سبحانہ التوحید التوحید التوحید (ملفوظات مع فتح ربانی)

یعنی تم پر لازم ہے کہ خوف خدا دل میں رکھو اس کی طاعت کرتے رہو، اللہ کے سوا کسی کا خوف تمہارے دل میں نہ ہو، اللہ کے سوا کسی سے امید نہ لگاؤ، اپنی تمام حاجتیں اللہ کے سپرد کرو، اسی سے اپنی ضرورتیں مانگو۔ اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ رکھو، بھروسہ صرف اسی ایک ذات پر ہو اس کی ذات تمام عیبوں سے پک ہے، دیکھو توحید توحید توحید!!

استعانت کی تفصیل

(۱) ایک مدد تو مادی اسباب کے تحت ہر انسان دوسرے انسان سے لیتا ہے اس کے بغیر اس دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا، صنعت کار اپنی صنعت کے ذریعہ مزدور، معمار، بڑھئی، لوہار، سب مخلوق کی مدد میں لگے ہوئے ہیں اور ہر شخص ان سے مدد لینے پر مجبور ہے، ظاہر ہے کہ یہ کسی دین؟ اور شریعت میں ممنوع نہیں ہے وہ اس استعانت میں داخل نہیں جو اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ اسی طرح غیر مادی اسباب کے ذریعہ کسی نبی یا ولی سے دعا کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ لے کر براہ راست اللہ سے دعا مانگنا روایاتِ حدیث اور اشاراتِ قرآن سے اس کا جواز ثابت ہے وہ بھی اس استعانت میں داخل نہیں جو صرف اللہ کیلئے مخصوص ہے۔

(۲) اب وہ مخصوص استعانت و استمداد جو اللہ کے ساتھ خاص ہے اور غیر اللہ کیلئے شرک ہے کونسی ہے؟ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ کے سوا کسی فرشتہ

یا پیغمبر یا ولی یا کسی اور انسان کو خدا کی طرح قادر مطلق اور مختار مطلق سمجھ کر اس سے اپنی حاجت مانگے، یہ تو ایسا کھلا کفر ہے کہ عام مشرکین اور بت پرست بھی اس کو کفر سمجھتے ہیں، دوسری وہ قسم ہے جس کو کفار اختیار کرتے ہیں اور قرآن اور اسلام اس کو باطل اور شرک قرار دیتا ہے۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں یہی مراد ہے کہ ایسی استعانت ہم اللہ کے سوا کسی سے نہیں چاہتے وہ یہ ہے کہ اللہ کی کسی مخلوق فرشتے یا پیغمبر یا ولی یا کسی دیوتا کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اگرچہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہیں اور کامل اختیارات اسی کے ہیں لیکن اس نے اپنی قدرت و اختیار کا کچھ حصہ فلاں شخص کو سونپ دیا ہے اور اس دائرے میں وہ خود مختار ہے، یہی وہ استعانت و استمداد ہے جو مومن و کافر میں فرق کرتی ہے، اسلام اور کفر میں امتیاز کرتی ہے۔ قرآن اس کو شرک و حرام قرار دیتا ہے، بت پرست مشرکین اس کے قائل اور اس پر عامل ہیں۔

عموماً دھوکہ یہاں سے ہوتا ہے

اس معاملہ میں دھوکہ یہاں سے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے فرشتوں کے ہاتھوں دنیوی نظام کے بہت سے کام جاری کیے ہیں، دیکھنے والا اس مغالطہ میں پڑسکتا ہے کہ اس فرشتے کو اللہ نے یہ اختیار سپرد کیا ہے، یا بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ سے ایسے کام وجود میں آتے ہیں، جو عام انسانوں کی قدرت سے خارج ہیں جن کو معجزات کہا جاتا ہے، اسی طرح اولیاء اللہ کے ذریعہ ایسے بہت سے کام وجود میں آتے ہیں، جن کو کرامات کہا جاتا ہے۔ یہاں سرسری نظر والوں کو یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کی قدرت واختیار ان کو سپرد نہ کرتا تو ان سے کیسے وجود میں آتے؟ اس سے وہ ان انبیاء اور اولیاء کو ایک درجہ میں مختار کار ہونے کا عقیدہ بنا لیتے ہیں، حالانکہ حقیقت یوں نہیں ہے بلکہ معجزات و کرامات براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، صرف ان کا ظہور پیغمبر یا ولی کے ہاتھوں پر ان کی

عظمت ثابت کرنے کیلئے کیا جاتا ہے، پیغمبر اور ولی کا اس کے وجود میں آنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا قرآن کی بے شمار آیات اس پر شاہد ہیں، مثلاً آیت وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى میں رسول کریم ﷺ کے اس معجزے کا ذکر ہے جس میں آپ نے دشمن کے لشکر کی طرف ایک مٹھی کنکریاں پھینکی اور اللہ کی قدرت سے سارے لشکر کی آنکھوں میں وہ جالگیں اس کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں، جس سے معلوم ہوا کہ معجزہ نبیؑ کے واسطے سے صادر ہوتا ہے وہ درحقیقت اللہ کا فعل ہوتا ہے۔

دو استدلال

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں وہ بلا لیجئے تو انہوں نے فرمایا: اِنَّمَا يَأْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ (ہود) یعنی معجزہ کے طور پر آسمانی عذاب نازل کرنا میرے قبضہ میں نہیں اللہ اگر چاہے گا تو یہ عذاب آ جائے گا پھر تم اس سے بھاگ نہ سکو گے۔

سورۂ ابراہیم میں انبیاء اور رسل کی ایک جماعت کا یہ قول ذکر فرمایا ہے۔ مَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی کسی معجزہ کا صادر کرنا ہمارے ہاتھ میں نہیں، اللہ کے اذن و مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، اس وجہ سے کوئی پیغمبر یا کوئی ولی جب چاہے جو چاہے معجزہ یا کرامت دکھا دے یہ قطعاً کسی کے بس میں نہیں۔ رسول کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام سے معین معجزات کا مطالبہ مشرکین نے کیا مگر جس کو اللہ نے چاہا ظاہر کر دیا اور جس کو نہ چاہا نہیں ہوا، پورا قرآن اس کی شہادتوں سے بھرا ہوا ہے۔

ایک محسوس مثال

ایک محسوس مثال سے اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ آپ جس کمرہ میں بیٹھے ہوئے

ہیں اس میں بجلی کی روشنی بلب سے اور ہوا برقی پنکھے سے پہنچ رہی ہے مگر یہ بلب اور پنکھا اس روشنی اور ہوا پہنچانے میں قطعاً خود مختار نہیں بلکہ ہر آن اس جوڑ اور کنکشن کے محتاج ہیں، جو تار کے ذریعہ پاور ہاؤس کے ساتھ ان کو حاصل ہے ایک سکنڈ کیلئے یہ جوڑ ٹوٹ جائے تو نہ بلب آپ کو روشنی دے سکتا ہے، نہ پنکھا ہوا دے سکتا ہے کیونکہ درحقیقت وہ عمل بلب اور پنکھے کا ہے ہی نہیں بلکہ بجلی کی رَو کا ہے جو پاور ہاؤس سے یہاں پہنچ رہی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ اور سب فرشتے ہر عمل میں ہر کام میں ہر آن حق تعالیٰ کے محتاج ہیں، اس کی قدرت ومشیت سے سب کام وجود میں آتے ہیں، اگرچہ ظہور اس کا بلب اور پنکھے کی طرح انبیاء اور اولیاء کے ہاتھوں پر ہوتا ہے، اس مثال سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ان چیزوں کے صدور اور وجود میں......

ضروری وضاحت اور دائرۂ ادب

اگرچہ اختیار انبیاء اور اولیاء کا نہیں مگر ان کا وجود ان سے بالکل بے دخل بھی نہیں جیسے بلب اور پنکھے کے بغیر آپ کو روشنی اور ہوا نہیں پہنچ سکتی یہ معجزات وکرامات بھی انبیا اور اولیاء کے بغیر نہیں ملتے، اگرچہ یہ فرق ضرور ہے کہ پوری فٹنگ اور کنکشن درست ہونے کے باوجود آپ کو بغیر بلب کے روشنی اور بغیر پنکھے کے ہوا کا ملنا عادتاً ناممکن ہے اور معجزات وکرامات میں حق تعالیٰ کو سب کچھ قدرت حاصل ہے کہ بغیر واسطہ کسی پیغمبر وولی کے بھی اس کا ظہور فرمادیں مگر عادتاً اللہ یہی ہے کہ ان کا صدور بغیر کسی واسطے انبیاء اور اولیاء کے نہیں ہوتا کیونکہ ایسے خوارق وعادت کے اظہار سے جو مقصود ہے وہ اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام

اس لئے معلوم ہوا کہ عقیدہ تو یہی رکھنا چاہئے کہ سب کچھ اللہ کی قدرت ومشیت سے ہورہا ہے اس کے ساتھ انبیاء اور اولیاء کی عظمت وضرورت کا بھی

اعتراف ضروری ہے اس کے بغیر رضائے الٰہی اور اطاعت احکام خداوندی سے محروم رہے گا جس طرح کوئی شخص بلب اور پنکھے کی قدر نہ پہچانے اس کو ضائع کردے تو روشنی اور ہوا سے محروم رہتا ہے، وسیلہ استعانت اور استمداد کے مسئلہ میں بکثرت لوگوں کو اشکال رہتا ہے، امید ہے کہ اس تشریح سے اصل حقیقت واضح ہوجائے گی اور یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ انبیاء اور اولیاء کو وسیلہ بنانا نہ مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز بلکہ اس میں وہ تفصیل ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے کہ کسی کو مختار مطلق سمجھ کر وسیلہ بنایا جائے تو شرک وحرام ہے اور محض واسطہ اور ذریعہ سمجھ کر کیا جائے تو جائز ہے، اس میں عام طور پر لوگوں میں افراط وتفریط کا عمل نظر آتا ہے۔ (معارف القرآن)

اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت اور صراط مستقیم پر لائے۔

وسیلہ کا جواز

اللہ سے اپنی حاجت طلب کرنے میں کسی نبی ولی کا وسیلہ لینا اور اس طور پر کہنا کہ اے اللہ فلاں نبی یا ولی کے وسیلہ سے میری حاجت پوری فرما اور یہ مقصد پورا فرما اس طرح کہنا جائز ہے۔ وسیلہ دراصل اللہ کی وہ رحمت ہے جس سے خدا کا مقبول بندہ نوازا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب قحط ہوجاتا تو حضرت عباسؓ کے توسل سے بارش کی دعا مانگتے اور کہتے۔ **اللھم انا نتوسل الیک نبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبیک فاسقنا فیسقوا** (بخاری) یعنی اے اللہ ہم آپ کے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور ان کا واسطہ دے کر تجھ سے دعا کیا کرتے تھے خداوند آپ ہماری التجا قبول کرتے اور بارش برسا دیا کرتے تھے، اب آپ کے نبی کے چچا حضرت عباسؓ کے ذریعہ سے آپ کے حضور میں توسل کرتے ہیں ہم پر بارش نازل فرمائیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباسؓ کا واسطہ دے کر اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بارش ہوجاتی تھی۔ (مشکوۃ)

ہمارے حضرات اس قسم کے وسیلہ کے قائل ہیں اور ان کا عمل یہی رہا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی وسیلہ سے دعا فرماتے تھے۔ (مکتوبات ص ۲)

شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں آپ ﷺ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا ہے بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیئے۔ محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلامؒ)

حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں۔ اہل طریق میں مقبولانِ الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے۔ حدیث سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے، مشکوٰۃ میں امیہ سے روایت ہے کہ نبیؐ فتح کی دعا بتوسل فقراء مہاجرین کیا کرتے تھے۔ (التکشف) نیز امداد الفتاوی میں ہے، توسل دعاء میں مقبولان حق کا خواہ وہ احیاء ہوں یا اموات ہوں درست ہے، قصہ استسقاء میں حضرت عمرؓ کا توسل حضرت عباسؓ سے قصہ ضریر میں توسل جناب رسول اللہ ﷺ سے بعد وفات نبوی احادیث میں وارد ہے اس لئے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے لکھا ہے کہ طبرانی نے معجم صغیر میں اور حاکم، ابو نعیم اور بیہقی نے امیر المومنین حضرت عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو اپنی دعا اور توبہ میں حضرت رسول محبوبؐ کے وسیلہ سے عرض کیا کہ اے اللہ میں تجھ سے بحق حضرت محمد ﷺ سوال کرتا ہوں کہ میرے گناہ کو بخش دے تو اللہ نے ان کی مغفرت فرمادی۔ (فتح العزیز، فتاوی رحیمیہ ج ۲)

(۱) سورہ مائدہ میں جس "الوسیلہ" کا ذکر ہے اس سے مراد ایمان اور وہ طاعات و قربانیاں ہیں جس سے قرب خداوندی نصیب ہوتا ہے۔

(۲) اذان کے بعد والی دعا میں الوسیلۃ سے مراد حضور کا جنت میں خصوصی مقام یا وہ مقام ہے جہاں کھڑے ہو کر امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

(۳) براویت ابن عمرؓ حضورؐ سے پتھر اور غار والے جن تین حضرات کا قصہ منقول ہے اس سے توسل بالاعمال کا ثبوت ملتا ہے۔

(۴) توسل باعتبار حکم فرض، واجب اور سنت نہیں بلکہ مباح ہے۔

نوٹ: تفصیلات کیلئے بڑی کتابیں اور اپنے علماء سے رجوع کیجئے۔

☆☆☆

استعانت باعتبارِ ربوبیت کی چند صورتیں

استعانت باعتبار ربوبیت کی چند اہم صورتیں یہ ہیں:

(۱) استعانت باعتبار صلوۃ...... ارشاد ربانی ہے اِسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ (بقرہ) مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ۔

شاہِ کلید

نمازِ اسلام کا وہ فرض ہے جس میں جامعیت ہے نماز سے استعانت لینے کا کیا طریقہ ہے یہ بھید ہے جو نماز کے اَسرار میں داخل ہے یوں تو اِس کے بہت بھید ہیں لیکن ایک راز یہاں مکشوف ہے اِس کو استعانت بہ اعتبار صلٰوۃ کہتے ہیں۔ ہر مسلمان جو امیر ہو یا غریب، مقیم ہو یا مسافر مریض ہو یا صحت مند ہر حالت میں فرض ہے قرآن و حدیث کا مطالبہ یہ ہے کہ ہر مسلمان نماز کے ذریعہ استعانت طلب کیا کرے۔ نماز کی ادائیگی وہ خوبی رکھتی ہے کہ ہر مشکل اِس سے آسان ہو جاتی ہے۔ نماز اعمال صالحہ کی اصل اور تمام مسائل میں اللہ کی طرف رجوع ہ تمام مسائل کا حل ہے۔ نماز کی حیثیت عبادات میں بمنزلۂ کُل ہے اور دوسرے تمام اعتبارات کی حیثیت جز کی ہے۔

بے بدل تمثیل

بعض قفل بنانے کے کارخانے چار، چھ، بارہ، ایسے قفل بناتے ہیں جن کی کنجیاں الگ الگ ہوتی ہیں۔ مگر قفل بنانے والے اور مہماتی کارکن اِن تمام قفلوں کو کھولنے کے لئے ایک اہم کنجی تیار کرتے ہیں جو ہر قفل کو کھول دیتی ہے تو وہ کنجی جو سارے قفلوں کو کھول دے شاہِ کلید اِسے کہتے ہیں۔ اِسی طرح ہر موقع اور ہر محل پر ہر مقام میں نماز وہ شاہِ کلید ہے جس سے ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے۔

نعمتِ نماز

پیراہن کِبر چاک ہوجاتا ہے
نفسِ سَرکش ہلاک ہوجاتا ہے
مُسلِم کیلئے عجیب نعمت ہے نماز
سر خاک میں رکھ کے پاک ہوجاتا ہے

(امجدؔ)

احکام ربانی

احوال انسانی......عموماً پانچ ہیں (مع تجزیہ)

(۱) حاجت (۲) معاملہ (۳) گناہ (۴) نعمت (۵) مصیبت

(۱) حاجتوں میں اگر اللہ سے دعا ہو تو وہ نعمت کے دائرے میں داخل اور اگر اللہ سے دعا نہیں ہوتی تو وہ مصیبت کے دائرے میں داخل۔

(۲) اگر معاملات میں خدا پر بھروسہ ہو تو وہ نعمت میں شمار ہوگا اور اگر خدا پر بھروسہ نہ ہو تو مصیبت میں شمار ہوگا۔

(۳) اِسی طرح اگر گناہوں میں استغفار ہو تو نعمت ورنہ وہ حالت خود مصیبت ہی مصیبت۔

شعر

دعا توبہ توکل صبر و شکر
یہی ہیں استعانت کے طریقے

اب مجموعی طور پر خصوصیت کے ساتھ دو اہم حالتیں باقی رہتی ہیں!

ایک نعمت! دوسرے مصیبت!

اب یہاں ایک اور خاص حال ہے کہ اگر نعمت میں شکر خدا ہوا تو نعمت نعمت ہے ورنہ وہ نعمت ہی مصیبت ہے۔

اِسی طرح اگر مصیبت میں صبر و مقتضیات صبر سے کام لیا تو مصیبت نعمت سے بدل جاتی ہے مگر سب کو سمجھ میں آنا ضروری نہیں۔ اِسی طرح اگر نعمت میں شکر ہوا نہ ہوا تو وہ نعمت ہی مصیبت بن جاتی ہے مگر سب کو اِس کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں۔

اب عمومی طور پر دو حالتیں یاد رہیں اور اِس کے احکام اور اِس سے استعانت کے طریقے کھل جاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے نصرت و مدد کے مستحق بنا دیئے جاتے ہیں۔ الایمان نصفان الشکر والصبر کے اعتبارات سالک پر کھلنے لگتے ہیں۔

استعانت کے اِن اعتبارات کو ملحوظ رکھنے سے حق تعالیٰ کی عنایات خاصہ ہماری طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔ خصوصاً بلاؤں اور مصائب پر صبر کرنے سے حق تعالیٰ کی نسبتیں بندے سے متعلق ہو جاتی ہیں۔

(۱) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ (بقرہ)

بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں

(۲) وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ (العمران)

اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاج صابروں سے محبت ہے

(۳) وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور بر بنائے رحمت اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی نصرت و مدد کرنا

اللہ نے اپنے ذمے لیا ہے۔

(۴) ذَالِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْ

وَاِنَّ الْکَافِرِیْنَ لَامَوْلٰی لَھُمْ (محمد)

یہ اِس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مولیٰ ہے اور بے شک کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔

مذکورہ آیات میں حسب ذیل ۴ نسبتیں متعلق ہوتی ہیں۔

(۱) اللہ کی معیت ذاتی (۲) اللہ کی محبت حبی نسبت (۳) اللہ کی تائید ونصرت (۴) اللہ کی مولائیت ماشاء اللہ اور اللہ رب العزت اِس کی عطا پر قربان جائیں کیا کیا نوازشات ہیں اللہ کے خاص بندوں پر۔

اِس مرتبہ کے تینوں مراتب کو اِس آسانی سے یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: اس مرتبہ کے تینوں مراتب کو آسانی سے یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

افراط	تفریط	اوسط
توجہ بغیر حق	عینیت حقیقی غیریت اعتباری	توحید افعالی
تشریط	تعطیل	توحید

نوٹ ۲: اس مرتبہ میں تشریک مانع درجات ہے اور اِسی طرح تعطیل بھی مانع درجات ہے۔

ہاں توحید افعال باعث ترقی مدارج ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے اپنا فاعل حقیقی ہوتا ہم پر متشرح فرمادے۔

یہ رتبہ توحید افعالی کا ہے۔ اِس مرتبہ کے لوگوں کو اہل طریقت اور اہل دل کہہ سکتے ہیں۔ دل کی صفت جاننا پن ہے یہ طریقت والے ہیں خصوصاً ماسواء اللہ کی ربوبیت کی نفی اور اللہ ہی کی ربوبیت کی تفصیل سمجھائی جاتی اور تفہیم کرائی جاتی ہے۔ راہِ طریقت پر پابند لوگوں کو شہداء کہتے ہیں۔ جنہیں اصحابِ یمین کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

علم وعمل کے بعد شہداء کا نتیجہ آنکھ بند ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

اللہ کی صفات کو صرف عین ذات کہیں تو وہ معطل ٹھہرایا ہے اِسم مسمّٰی تک رسائی کے لئے اور صفت اور صفات سے موصوف کی پہچان ہوتی ہے اور صفات ہی موصوف کا پتہ دیتے ہیں۔ اگر صفات لاپتہ ہوں تو موصوف بھی لاپتہ ہو جاتا ہے۔ اِس وجہ سے صفات کو عین ذات کہنا تعطیل ہے۔

جب صفاتِ عین ذات ہو تو ذات کیا ٹھیری بلا صفت اور بلا صفت ذات عدم محض ہے۔ اللہ تعالیٰ عدم محض نہیں وہ تو موجود محض ہیں اور موجود حقیقی ہیں جو موجود محض مطلق ہے وہ معدوم محض کیسے ہو سکتا ہے۔ نعوذ باللہ۔ دوسرا سوال؟ اگر کوئی کہے کہ ذات غیر صفات سمجھیں تو کیا نقص لازم آتا ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ ذات کا تعدد لازم آتا ہے۔ یعنی ذات گننے پن میں آتی ہے تو یہ ذات مخلوق کی ہوتی ہے خالق کی نہیں اِس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی ذات کوئی صفات نہیں رکھتی بلکہ یہ صفات کوئی دوسری صفت اللہ کو بخشتی ہے۔ تعالی اللہ عن ذلک علی کبیرا

سوال: کیا ذات وصفات میں انففکاک کے معنی ہیں۔ دوری یا علیحدگی سوال یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ کیا ذاتی صفات کبھی بھی دور یا علیحدہ ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ ذاتی صفات ذات سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتے تو ذات کو عین صفات یا صفات کو عین ذات کہہ سکتے ہیں لیکن ہم ایسا نہیں کہنے دیتے کیوں کہ ذات اور صفات میں کئی طرح کا فرق وامتیاز ہے۔

فرق در ذات وصفات

(۱) ذات مقدم ہے صفات مؤخر ہیں (رتبۃً)

(۲) ذات قائم بخود ہے اور صفات قائم بہ ذات ہیں۔

(۳) ذات میں تعدد نہیں صفات میں تعدد ہے۔

(۴) ذات کو انیت ہے صفات کو انیت نہیں۔

(۵) ذات ہمیشہ یکساں الآن کما کان اسکی شان مگر صفات کبھی ظاہر کبھی پوشیدہ

(۶) ذات موجود وجودی اور صفات موجود ذہنی ہیں۔

(۷) ذات میں نہ اجمال نہ تفصیل مگر صفات میں اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی۔

(۸) ذات میں وحدت ہے صفات میں کثرت ہے۔

صحیح مسلک

(۱) ایک صفت کو دوسری صفت کے ساتھ غیریت ہے مگر ہر صفت کو ذات کے ساتھ عینیت ہے۔

(۲) استعانت باعتبار صبر جیسا کہ آیت مذکورہ ہی میں نشاندہی کی گئی ہے۔

(۳) استعانت باعتبار رضا بالقضاء، جیسے کہ فرمایا گیا رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّہٗ ۔ راضی ہوا اللہ ان سے اور وہ راضی ہوئے اللہ سے اور یہ رضا اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس شخص کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

(۴) استعانت باعتبار شکر۔ جیسے فرمایا لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ (ابراھیم) یعنی اگر تم شکر کرو تو ضرور تمہیں نعمت میں اضافہ کروں گا۔

(۵) استعانت باعتبار توکل جیسے فرمایا گیا مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ (آل عمران) یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کیلئے کافی ہے۔

(۶) استعانت بہ اعتبار توبہ جیسے تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعًا اَیُّہَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۔ یعنی اے اہل ایمان تم سب اللہ کی طرف پلٹو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

(۷) استعانت بہ اعتبار دعا۔ جیسے ارشاد ربانی ہے اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ

فَاِنِّی قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَالْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یُرْشِدُوْنَ (بقرہ)

یعنی جب میرے بندے میری نسبت تم سے دریافت کریں کہ کیونکر وہ مجھ تک پہنچ سکتے ہیں تو بتلاؤ کہ میں ان کے پاس ہی ہوں وہ جب پکارتے ہیں تو میں سنتا ہوں، جواب دیتا ہوں، ان کی دعا قبول کرتا ہوں، اگر واقعی میری طلب رکھتے ہیں تو چاہئے کہ میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ حصول مقصد میں کامیاب ہوں۔ استعانت کی ہمارے ہاں بہت سادہ اور اہم تفصیلات ہیں خوب غور سے پڑھئے اور سمجھئے۔

جانتے ہیں ہم حقیقت اولیاء اللہ کی
صحبت مولیٰ ہے صحبت اولیاء اللہ کی
اولیاء اللہ سمجھو اولیاء اللہ کو
بس یہی ہے قدر و عزت اولیاء اللہ کی
کفر بدعت، شرک و غفلت سے نکالے خلق کو
ہے یہی اعلیٰ کرامت اولیاء اللہ کی
فیض و برکت ان سے ہر حالت میں حاصل ہو مگر
بے دلالت استعانت اولیاء اللہ کی
اصل ایصال توسل بے شبہ جائز مگر
بے سند ہے نذر ہے نذر و منت اولیاء اللہ کی
اولیاء اللہ کو ہوتا اگر سب اختیار
سب کو مل جاتی ولایت اولیاء اللہ کی

احوال اور احکام

یوں تو زندگی کے بے شمار احوال ہیں لیکن مجموعی طور سے غور کرنے کے بعد بہت

آسانی سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ دنیا میں جتنے انسان ہیں ان سب پر عموماً پانچ حالات گذرتے ہیں، وہ انسان کسی ملک کے رہنے والے ہوں، کسی قوم کے ہوں، کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، بادشاہ ہوں یا فقیر، مسلمان ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد، عورت ہوں یا مرد، جوان ہوں یا بوڑھے، سب کے سب انہیں پانچ حالات میں زندگی گذار رہے ہیں:

☆ پہلی حالت - حاجات ومرادات

☆ دوسری حالت - حالت معاملہ (حالات کاروبار)

☆ تیسری حالت - حالت گناہ

☆ چوتھی حالت - حالت نعمت

☆ پانچویں حالت - حالت مصیبت

استعانت مدد مانگنے کو کہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ان حالات میں قرآن و حدیث کے تحت احکام کیا ہیں اور ہم اللہ سے مدد کس طرح مانگیں۔ حاجات میں انسان اپنی بے انتہا عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور اپنی ضرورت ایک کامل القدرت ہستی کے سامنے پیش کرتا ہے، اسی کا نام دعا ہے، حاجتوں میں انسان یہ چاہتا ہے کہ کوئی رحیم وکریم ہستی اس کی حاجتوں کو سن لے اور ان کو پورا کردے، یہی چیز دعا کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

دعا کی تفصیل انسان سراپا احتیاجات کا مجموعہ ہے، اس کی حالتیں اختیاری ہوں یا غیر اختیاری وہ بغیر ارادۂ الٰہی پوری نہیں ہوسکتیں، لہٰذا انتہائی عاجزی سے اپنا ہر معروضہ بارگاہ الٰہی میں پیش کرنا دعا کہلاتا ہے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ **الدعاء هو العبادة** یعنی دعا عبادت ہی ہے گویا دعا کو عبادت کہا گیا ہے یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے

کہ لایرد القضاء الا الدعا یعنی قضاء کو دعا ٹال دیتی ہے۔

چند اہم آدابِ دعا

۱۔ کھانے، پینے، پہنے اور اور کمانے میں حرام سے بچنا
۲۔ دل سے یہ سمجھنا کہ اللہ کے سوا کوئی ہمارا مقصد پورا نہیں کر سکتا
۳۔ دعا سے پہلے کوئی نیک کام کرنا
۴۔ پاک وصاف ہو کر دعا کرنا
۵۔ باوضو قبلہ رو، دوزانو بیٹھ کر دعا کرنا
۶۔ دعا کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجنا
۷۔ اپنی عاجزی اور محتاجی کا ذکر کرنا اور اللہ کے کمالات اور صفات کمال وقدرت کا ذکر کرنا
۸۔ دعا میں اختیاری قافیہ بندی اور گانے کی صورت میں دعا کرنے سے بچنا
۹۔ دینی اور دنیوی تمام امور میں جامع دعائیں کرنا بالخصوص ان الفاظ میں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور روایات میں مذکور ہیں
۱۰۔ رغبت وشوق اور حضور قلب کے ساتھ دعا کرنا
۱۱۔ الحاح وزاری سے دعا کرنا
۱۲۔ قطع رحمی کی دعا نہ کرے، کسی گناہ کی دعا نہ کرے
۱۳۔ قبولیت دعا میں جلدی نہ کرے
۱۴۔ دعا کرنے والے اور سننے والے دونوں آمین کہیں
۱۵۔ دعا کرتے وقت انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقبول اور صالح بندوں کے ساتھ توسل کرنا چاہئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اے اللہ ان بزرگوں کے طفیل سے میری دعا قبول فرما

۱۶۔ عدم قبولیت کے آثار پر شکایت نہ کرے

۱۷۔ خدا کی مشیت وحکمت پر دل وجان سے راضی رہے

۱۸۔ دنیا میں نہ ملنے پر آخرت میں ذخیرہ ہونے کا یقین رکھے (جواہر الفقہ)

قبولیت دعا کی تفصیلات

دعاؤں کے سلسلہ میں یہ بات قطعی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی دعا قبول فرما لیتے ہیں، البتہ ان کا ظہور مختلف پہلوؤں سے ہوتا ہے۔

۱۔ اگر کسی بندہ کی مانگی ہوئی چیز اسی وقت دے دینا بندے کیلئے مفید ہو تو اسی وقت قبول فرما لیتے ہیں

۲۔ یا وہ چیز جو بندہ مانگ رہا ہے کچھ دنوں بعد بندے کو ملنا بہتر ہے تو کچھ دنوں بعد وہ مانگ پوری کر دی جاتی ہے

۳۔ قبولیت دعا کی ایک صورت یہ ہے کہ بندہ جو چیز مولیٰ سے مانگ رہا ہے اس کی بجائے کوئی بلا ٹال دی جاتی ہے

۴۔ قبولیت دعا کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ بندہ جو چیز مانگ رہا ہے اس کی جگہ کوئی دوسری چیز دیدی جاتی ہے، جیسے خود آپ کا تجربہ ہے کہ بچہ جو چیز مانگتا ہے اس کیلئے مفید ہو تو اسی وقت دیدی جاتی ہے، مثلاً بچہ بسکٹ مانگتا ہے، چاکلیٹ مانگتا ہے یا اس طرح کی کوئی چیز مانگتا ہے اور آپ مناسب جانتے ہیں تو اسی وقت وہ دلا دیتے ہیں اور اگر وہی بچہ آگ کا چمکتا ہوا ڈلہ مانگے اور پکڑنا چاہے یا اس سے کھیلنا چاہے تو آپ ہرگز اس بچہ کو وہ چیز نہیں دیں گے، اسلئے کہ اس میں بچہ کا سراسر نقصان ہے۔

دیکھئے وہی بچہ مٹھائی مانگتا ہے تو آپ اس کو دلا دیتے ہیں اور وہی بچہ جب ہاتھ کی گھڑی کا مطالبہ کرے تو آپ اس کی درخواست قبول نہیں کرتے اور

کہتے کہ صاحبزادے یہ آپ کو اس وقت دینے کی نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت آپ کو ضرور دی جائے گی جب آپ میٹرک پاس ہو جائیں گے وغیرہ۔ وہی بچے جس کیلئے آپ نے کسی تعلیمی کامیابی کی شرط لگائی تھی وہی اگر یہ مطالبہ کرنے لگے کہ ابا جان خزانے کی کنجیاں میرے حوالے کر دیجئے تو کہا جاتا ہے کہ یہ مطالبہ قابل قبول نہیں، اسی طرح کچھ دعائیں آخری وقت میں قبول ہوتی ہے۔

۵۔ قبولیت دعا کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ آخرت کیلئے ذخیرہ ہوتی ہیں۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ کل قیامت میں ایک بندے آئے گا وہ عرض کرے گا اے اللہ میں نے تو اتنے اعمال صالحہ نہیں کئے تھے، اس کو بتلایا جائے گا کہ یہ تمہاری ان دعاؤں کا بدل ہے جنہیں تم نے مانگا تھا اور دنیا میں اسے حکمۃً پورا نہیں کیا گیا تھا، تب وہ بندہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی تو اچھا تھا، جن کا بہترین بدل آج دیکھتا اور آج کے دن وہ کام آتیں، دعا کے بارے میں قبولیت کے ان اعتبارات کے سامنے آنے کے بعد ایک مومن اور مسلمان کو مطمئن ہو جانا چاہئے کہ حق نے کیسی کیسی سرفرازی بخشی ہے۔ موضوع کی مناسبت سے ایک موزوں دعا جو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ''کلامِ غلام'' میں مذکور ہے ملاحظہ ہو۔

''کچھ روز میں''

کچھ وقت سے اک بیج شجر ہوتا ہے
کچھ روز میں اک قطرہ گہر ہوتا ہے
اے بندۂ ناصبور تیرا ہر کام
کچھ دیر میں ہوتا ہے مگر ہوتا ہے

(رباعیاتِ امجد)

دعاءِ غلام

مجھے علم و حکمت سے آباد کردے
مرے جہل و ظلمت کو برباد کردے ۰

خودی میری دشمن بنی ہے خدایا
خودی کو مٹا کر مجھے شاد کردے

شمال اور مشرق ، جنوب اور مغرب
مجھے ہر جہت سے تو آزاد کردے

ترے ہاتھ میں ہے مرا دل الٰہی
مرے وسوسوں کی جگہ یاد کردے

سبق پھر محبت کا تازہ کریں گے
تو شیریں بن اور مجھ کو فرہاد کردے

کیا منکشف تو نے سر معیت
مگر درد اب وہم و الحاد کردے

غلام محمد کو ضد آگئی ہے
عطا آج کچھ اس کو جواد کردے

مناجات

اے خدائے پاک رحمٰن و رحیم
قاضی حاجات وہاب و کریم
اے الہ العالمیں اے بے نیاز
دین و دنیامیں ہمارے کارساز
تو ہی معبود اور تو ہی مقصود ہے
تیرے ہی ہاتھوں میں خیر و وجود ہے
ہم گنہگار اور تو غفار ہے
ہم بھرے عیبوں سے تو ستار ہے
ہم ہیں بے کس اور تو بیکس نواز
ہم ہیں ناچار اور تو ہے چارہ ساز
تو وہ قادر ہے کہ جو چاہے کرے
جسکو چاہے دے جسے چاہے نہ دے
تو وہ داتا ہے کہ دینے کیلئے
در تیری رحمت کے ہر دم ہیں کھلے
تیرے در پر ہاتھ پھیلاتا ہے جو
پا ہی لیتا ہے وہ ہر مقصود کو

مانگنا ہم پر کیا ہے تو نے فرض
اور سکھا ہم کو دئے آداب عرض

مانگنے کو بھی ہمیں فرمادیا
مانگنے کا ڈھنگ بھی بتلادیا

ہر گھڑی دینے کو تو تیار ہے
جو نہ مانگے اس سے تو بیزار ہے

ہر طرف سے ہو کے ہم خوار و تباہ
آپڑے اب تیرے در پہ یا الٰہ

گرچہ یارب ہم سراپا ہیں برے
اب تو لیکن آپڑے در پر ترے

دل میں ہیں لاکھوں امیدیں جلوہ گر
ہاتھ اٹھاتے شرم آتی ہے مگر

تو غنی ہے اور ہم ہیں بے نوا
کون پوچھے گا ہمیں تیرے سوا

ہے تو ہی حاجت روائے دو جہاں
ہم ترا در چھوڑ کر جائیں کہاں

صدقہ اپنی عزت و اجلال کا
صدقہ پیغمبر کا ان کی آل کا

اپنی رحمت ہم پہ اب مبذول کر
یہ مناجات اور دعا مقبول کر

توبہ کی جامع تفصیل

سورہ مائدہ میں حق تعالیٰ نے توبہ کی قبولیت کی دو شکلیں ذکر کی ہیں جو شخص ظلم چھوڑ کر عدل اختیار کرے اور بگاڑ چھوڑ کر اصلاح کا رخ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کریگا۔

اسی طرح سورۂ مریم میں ہے کہ اگر کوئی شخص باطل سے تائب ہو کر اس طور پر ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرے تو ایسے لوگوں کو حق تعالیٰ نے جنت میں داخلہ کی بشارت سنائی ہے۔

ایک جگہ سورۂ توبہ میں ایسے لوگوں کے مستقبل کی کامیابی کی راہ ہموار کرنے کا تذکرہ ہے جو گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، اس کے بعد اعمال صالحہ بالخصوص اِقَامَتِ صَلٰوۃ اور اِیْتَاءِ الزَّکوٰۃ ان کا وطیرہ ہوتا ہے۔

سورہ ہود میں بتلایا گیا ہے کہ استغفار اور توبہ کرنے پر حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے۔اسی طرح سورۂ نور میں ہے تُوْبُوْا اِلَی اللہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّھُمْ تُفْلِحُوْنَ۔اس آیت سے توبہ کی اہمیت واضح اور روشن ہے۔

توبہ کے معنی: توبہ کے معنی رجوع کرنے اور دور سے قرب کی جانب لوٹ آنے کے ہیں۔

توبہ

دل کو پوری طرح آگاہی حاصل ہو جائے کہ گناہ تباہ کر دینے والی چیز ہے اور پھر خوف اور ندامت پیدا ہو کر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی رغبت پیدا ہو جائے اور جس گناہ میں مبتلا تھا اس کو چھوڑ دے، آئندہ کیلئے اس گناہ سے بچنے کا پختہ ارادہ کرے۔

حقیقت توبہ

محققین کے نزدیک بہ واسطہ ارشاد نبویؐ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ الندم توبة یعنی توبہ کی حقیقت ندامت ہے۔

توبہ کس کی قبول ہوتی ہے کس کی نہیں؟

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُوْلٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا- وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتُ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْاٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ- اُوْلٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (پ۴ ع۱۴)

توبہ جس کو قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر قریبی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں، سو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں، حکمت والے ہیں اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں کرتے جو گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور ان لوگوں کی جن کو حالت کفر پر موت آ جاتی ہے، ان لوگوں کیلئے ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔

معصیت میں انسان چاہتا ہے کہ اس کا گناہ ظاہر نہ ہو اور اسکا کوئی برا اثر مرتب نہ ہو بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا اثر مٹ جائے یہی چیز توبہ اور استغفار ہے کر لینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ جو توبہ قبول کرنے والے اور بخش دینے والے ہیں گناہوں کی پردہ پوشی فرما دیتے ہیں اور گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں بلکہ توبہ کرنے والے کو دوست بنا لیتے ہیں۔ لفظ توبہ رجوع کے معنی رکھتا ہے، استغفار میں مغفرت کی طلب ہوتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ گناہوں پر نادم ہو، آئندہ نہ

کرنے کا عزم ہو، حقوق العباد ادا کرے اور مقدور بھر سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کرے۔

حصول توبہ کیلئے کیا کریں

قرآن وحدیث میں گناہوں پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کو یاد کرنا اور سوچنا چاہئے اس سے گناہ پر دل میں سوزش پیدا ہوگی، یہی توبہ ہے۔ استغفار کے معنی بخشش طلب کرنے کے آتے ہیں، توبہ واستغفار میں فرق ہے استغفار سے مراد ماضی کے گناہوں کی معافی مانگنا اور توبہ سے مراد ندامت قلب کے ساتھ تلافی اور آئندہ کیلئے عہد کرنا ہے کہ اس خطاء کو دوبارہ نہ کریں۔ (روح المعانی)

شرعاً توبہ کا مفہوم

شریعت کی اصطلاح میں گناہ کو اس کے برا ہونے کے سبب ترک کرنا اور اس کوتاہی پر شرمندہ ہونا اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا۔

توبہ کی حقیقت سلسلہ کی تعلیم کے لحاظ سے

توبہ کے معنی پلٹ آنے کے ہیں، اس کی حقیقت یہ ہے کہ کافر کفر سے ایمان کی طرف پلٹے، مشرک شرک سے توحید کی طرف پلٹے، ملحد الحاد سے صدق کی طرف پلٹے اور منافق نفاق سے استقامت علی الخیر کی طرف پلٹے۔ بدعتی بدعات سے سنتوں کی طرف پلٹے، فاسق فسق سے طاعات کی طرف پلٹے، شر پسند خیر کی طرف پلٹے، غافل غفلت سے یاد حق کی طرف پلٹے،، یافت وشہود خلق میں پھنسا ہوا یافت وشہود حق کی طرف پلٹے، یافت وشہود حق والا صرف جذب ہی میں نہ رہ جائے بلکہ وہ یافت و شہود و خلق و حق دونوں کی طرف توجہ کرے اور دونوں کے حقوق تحت حدود ادا کرے۔

توبہ کی خاص قسمیں

بزرگوں کی کتابوں میں خاص طور پر ۳ مراتب توبہ اور رجوع کا تذکرہ ملتا ہے۔ التوبة من المعصية الى الطاعة گناہ ترک کرکے طاعت کی طرف رجوع کریں۔ الانابة من الغفلة الى الذكر غفلت چھوڑ کر یادِ حق میں مشغول ہو۔ الاوبة من الغيبة الى الحضور۔ اگر دل غیر حق میں لگ کر حضوری سے غائب ہو جائے تو پھر دل کو بارگاہ قربِ حق میں حاضر کر دینا اس کو صوفیہ کے پاس استحضار قلب اور نسبت مع اللہ کا رسوخ کہا جاتا ہے۔

شاندارِ مثال

جس طرح قطب نما کی سوئی بوجہ مقناطیسی مادہ کے قطب شمال کی سمت کو اپنا رخ کئے ہوئے رہتی ہے اور مرکز قطب شمال اس کے استقامت الی الشمال کا خود محافظ ہوتا ہے اور رخ بدلنے سے وہ سوئی مضطرب ہو جاتی ہے، اسی طرح جس قلب کو وہ نور عطا ہوتا ہے حق تعالیٰ شانہ کا مرکز نور اس قلب کی توجہ الی اللہ کا محافظ ہوتا ہے اگر غفلت سے اس کا رخ بدلے گا تو فوراً اضطرار شروع ہو جائے گا اور بزبان حال کہہ اٹھے گا۔

دلِ مضطرب کا یہ پیغام ہے
ترے بن سکوں ہے نہ آرام ہے
نسبت اسی کا نام نسبت اسی کا نام
ان کی گلی سے آپ نکلنے نہ پائے

(مستفاد از استغناء و توبہ: حضرت حکیم اختر صاحب مدظلہ العالی)

توبہ کا عام طریقہ

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ جب بندہ خطایا گناہ کر بیٹھے اور اس کو

توبہ کرنا مطلوب ہو تو اللہ کے حضور ہاتھ اٹھا کر یہ کہے کہ اے اللہ میں توبہ کرتا ہوں تیری طرف اس گناہ سے نہیں کروں گا اس گناہ کو دوبارہ پس اللہ بخش دیتا ہے اس کو جب تک دوبارہ نہ لوٹے اس گناہ کی طرف۔ (حاکم)

توبہ کا ایک خاص طریقہ

حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا جب توبہ ارادہ ہو تو غسل کرو، پاک وصاف کپڑے پہن لو دو رکعت نماز پڑھ لو پھر اپنی پیشانی بارگاہ الٰہی میں ٹیک کر خوب معافی مانگو، تنہائی ہو، آنسو بہہ رہے ہوں، دل غمگین ہو، اپنی بے انتہا بے بسی اور بیکسی کا اظہار ہو، خدا کی بے انتہا تعریف ہو، حضور پاک پر درود وسلام ہو اور رو رو کر رب رحیم کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا کرو۔ اے اللہ آپ کا بھاگا ہوا بندہ آپ کے دروازے پر حاضر ہو گیا ہے اور آپ کا نافرمان بندہ صلح کیلئے لوٹ آیا ہے، آپ کا گنہگار بندہ عذر پیش کر رہا ہے اپنے کرم سے معاف فرما دیجئے، اور اپنے فضل سے قبول فرما لیجئے۔ میری طرف نگاہ رحمت فرمایئے اور آئندہ کی خطاؤں سے حفاظت فرمایئے۔ پس ہر خیر آپ کے ہاتھ میں ہے اور آپ ہمارے حال پر مہربان اور کرم کرنے والے ہیں۔

شانِ غفاری

جو شخص اپنے بستر پر لیٹتے وقت تین مرتبہ حسب ذیل استغفار "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ" کو پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں یا اس کے گناہ ریت کے ٹیلے کے برابر ہوں یا درخت کے پتوں کے برابر ہوں یا ایام دنیا کے برابر ہوں۔

استغفار کی برکت

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے بارش کے نہ ہونے کی شکایت کی: فرمایا استغفار کرو، دوسرے نے تنگدستی کی شکایت کی، فرمایا استغفار کرو، تیسرے نے اولاد نہ ہونے کی شکایت کی فرمایا استغفار کرو، چوتھے نے شکایت کی کہ زمین میں پیداوار کم ہے، فرمایا استغفار کرو، پس پوچھا گیا کہ ہر شکایت کا ایک ہی علاج کیوں تجویز فرمایا تو سورہ نوح کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا— یُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِدۡرَارًا، وَیُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ وَیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡهٰرًا۔

دریائے رحمت کا جوش

ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت وحشیؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ ان کو اسلام کی دعوت دے، پس یہ پیغام حضرت وحشیؓ نے کہلا بھیجا کہ مجھے آپ کس طرح دعوت اسلام دے رہے ہیں، آپ کے رب نے فرمایا: جو قتل، زنا اور شرک کرے گا ایسے لوگوں کو دوگنا عذاب ہوگا اور پس حق تعالیٰ نے نازل فرمایا الامن تاب و آمن وعمل صالحاً مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے اعمال کرے وہ مستثنیٰ ہے تو حضرت وحشیؓ نے یہ سن کر کہا کہ یہ شرط سخت ہے شائد کہ میں اس پر عمل نہ کرسکوں، پس کیا اور بھی کوئی صورت ہوسکتی ہے، پس حق تعالیٰ کی رحمت نے مزید آیت نازل فرمائی: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِهٖ وَیَغۡفِرُ مَادُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۔ اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کو نہ بخشے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا ہر گناہ کی مغفرت فرمادے گا جس کیلئے اس کی مغفرت کا فیصلہ فرمادے۔

یہ سن کر حضرت وحشیؓ نے کہا کہ مجھے اپنی مغفرت میں ابھی شبہ ہے کیونکہ اس

میں مشیت کی قید ہے نہ معلوم ہماری مغفرت کیلئے مشیت خداوندی ہو یا نہ ہو، پس حق تعالیٰ کی شان رحمت نے ایک اور آیت اتاری قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ- اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ -اے نبی اکرم ﷺ آپ فرما دیجئے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے، بے شک وہ بہت بخشنے والے بے حد مہربان و نہایت رحم کرنے والے ہیں، یہ آیت سن کر حضرت وحشیؓ نے کہا نعم ہذا، یہ تو خوب عمدہ آیت ہے میری مغفرت کی، پھر آئے اور اسلام لے آئے۔ مسلمانوں نے عرض کیا کہ کیا یہ ان کیلئے خاص ہے یا سب کیلئے عام ہے آپ ﷺ نے فرمایا سب مسلمانوں کیلئے عام ہے۔

توکل کیا ہے

معاملات میں انسان یہ چاہتا ہے کہ کوئی غنی اور دولتمند اس کا ساتھ دے اور اسکا معاملہ کامیاب ہو یہی چیز توکل کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے، حکیم الامتؒ نے فرمایا: کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا توکل ہے، کام خدا کے سپرد کردیں اس کام سے متعلق تحت حکم تدبیر اختیار کریں، تحت حکم و تدبیر اسباب کوشش کریں۔

توکل کی اقسام واحکام

توکل کی دو قسمیں ہیں:- ایک علمی اور دوسرے عملی

توکل علمی: یہ ہے کہ ہر کام میں متصرف حقیقی اللہ ہی کو سمجھے اور اپنے کو ہر آن اس کا محتاج یقین کرلے۔

توکل عملی: اس کی حقیقت ترک اسباب ہے پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں، ایک اسباب دینیہ، دوسرے اسباب دنیویہ۔ اسباب دینیہ کو نہ چھوڑے، اس لئے کہ چھوڑنا گناہ ہے، بلکہ اسباب اختیار کرنا ضروری ہے امر دین واجب ہے تو

اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہے اگر سنت ہے تو سنت مستحب ہے تو مستحب۔

اسباب دنیویہ جن سے کوئی نفع دنیوی حاصل ہو اس نفع کی صورتیں ہیں، ایک نفع حلال اور دوسرے نفع حرام، اگر نفع حرام ہو تو اس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے اور وہ اسباب یقینیہ جن پر نفع عادتاً مرتب ہوتا ہے جیسے کھانے کے بعد آسودگی حاصل ہونا، پانی پینے کے بعد پیاس کا کم ہو جانا وغیرہ ایسے اسباب کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وہ اسباب ظنیہ جن پر غالباً نفع مرتب ہوتا ہے مگر بہت سی مرتبہ صحت کا ہونا یا نوکری اور مزدوری کے بعد رزق ملنا ان اسباب کا ترک کرنا جس کو عرف طریقت میں اکثر توکل کہتے ہیں، اس کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کیلئے تو جائز نہیں اور قوی النفس کیلئے جائز ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۔متوکلین پر لازم ہے کہ توکل صرف خدا کی ذات پر کیا کریں ایک اور جگہ ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کیلئے کافی ہے۔

شہمیری بات

حضرت شہمیرؒ نے بڑی اچھی بات بتلائی ہے کہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ ترک رویئت اسباب کا نام ہے۔

نظر مسبّب پر!

اگر ہمیں اس بات کا علم و یقین ہو جائے کہ اللہ کی ذات ایسی ذات ہے جو سارے آثار و افعال کا مرجع اور حول و قوت کا مبدا ہے وہی ایک فاعل حقیقی ہے۔

اثر، قوت وحرکت وہی پیدا کرتے ہیں، ان کی مشیت اور ارادے کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا تو ہمارے دلوں میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوگی جس سے ہم سارے امور کو خدا کے سپرد کر دینے میں ہی سکون اور مسرت محسوس کریں گے، یہی توکل اور اسکا شیریں ثمر ہے، یہ توحید کی جان اور مسلمان کی شان ہے۔ حکم کے تحت اسباب قطعیہ کا استعمال جائز بلکہ لازم ہے، عموماً فطرت انسانی بغیر اسباب کے خاموش اور مطمئن نہیں رہتی ٹھیک ہے مگر اب اسباب کے استعمال میں نظر اسباب پر نہ ہو بلکہ مسبّب الاسباب پر ہو تو اسباب میں اثر بھی پیدا ہوتا ہے اور اس مضمون کے تمام اجزاء کو سمجھ کر پابندی کی جائے تو رفتہ رفتہ رضا کا مقام حاصل ہو جاتا ہے جو راحت کبریٰ ہے۔

اعتماد کامل اور خدا پر بھروسہ کا نام ہے حکمی نسبت ملحوظ رکھ کر سبب اختیار کرے اور حق تعالیٰ ہی کو مسبّب الاسباب سمجھے اور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی معاملات میں کامیابی تک پہنچانے والے ہیں، وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ، سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قطعاً کافی ہو جاتے ہیں، اور يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ کا ارشاد بتاتا ہے کہ محبوب بھی بنا لیتے ہیں، الحمدللہ۔

حقیقت توکل اور اعتدال

یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ توکل ترک عمل یا تعطل کا نام نہیں بلکہ وہ ایک قوت یقین ہے جس سے سارے امور خدا کے تفویض کرنے میں اطمینان ملتا ہے۔ توکل کی ان تفصیلات کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے افعال مبارکہ سے اعتدال کا پتہ چلتا ہے، معجزات میں بھی جو کہ بالکل بطور خرق عادت ظہور میں آتے ہیں ان میں تدبیر اور اسباب کی صورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی دعوت کا قصہ اس کا شاہد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہانڈی چولہے سے نہ اتارنا، پھر اس

میں آ کر لعاب دہن ملا دیا اور وہ چند آدمیوں کی خوراک لشکر کو کافی ہوگئی۔ اسی طرح صورت اسباب کو حجاب بنایا گیا ورنہ ویسے بھی کھانا بڑھ سکتا تھا، یہ توکل اور تدبیر کے آداب ہیں۔ توکل کس طرح کریں؟ توکل صرف اللہ پر ہو اور لوگوں کے ہدایا اور تحفوں کی طرف نفس کا اشراف نہ ہو۔ اشراف نفس نہ ہو تو توکل محمود ہے اور جو توکل کی شرائط نہ ہوں تو تدبیر مسنون۔ بہر حال افراط وتفریط سے بچے۔

توکل کے حصول کا طریقہ

اللہ کی عنایتوں، وعدوں اور گذشتہ کامیابیوں کو یاد کرنا اور سوچنا اس کے طریقے ہیں۔

نعمت اور مصیبت کی حقیقت اور احکام

نعمت وہ حالت ہے جو نفس کیلئے خوشگوار ہو وہ حالات جو اس کی مرضی کے موافق ہیں مواقع شکر ہیں۔

حالات کی دو قسمیں ہیں

ایک پسندیدہ اور دوسری ناپسندیدہ۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

ایک اختیاری اور دوسری غیر اختیاری۔

یہ کل چار قسم کے حالات ہوئے۔

پسندیدہ، اختیاری ...... پسندیدہ غیر اختیاری

ناپسندیدہ، اختیاری ...... ناپسندیدہ غیر اختیاری

ہر ایک کے متعلق الگ الگ حقوق ہیں، ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ حالت نعمت میں انسان یہ چاہتا ہے کہ نعمت باقی رہے بلکہ زیادہ ہو۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اس میں احسان ماننے کا جذبہ ہوتا ہے، محسن کی یاد فطری تقاضہ ہے تو زبان سے الحمد للہ کہے اور دل سے اللہ کو یاد کرے اور نعمت کو صحیح استعمال کرے۔

جذبہ شکر کی تحصیل کا طریقہ

حق تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنا اور یاد کرنا اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جاننا شکر کی تحصیل کا طریقہ ہے، اس سے شکر کا جذبہ کاملہ نصیب ہوگا۔ (شریعت وطریقت)

نعمتوں کے تین اعتبارات

انسانی زندگی کی ایک خصوصی حالت یہ ہے کہ وہ سر سے لیکر پیر تک بلکہ انفس و آفاق کی بہت سی نعمتوں میں ڈوبا رہتا ہے نعمتوں کے دور میں خزانے کھل جاتے ہیں، کھانا پینا حسب خواہش ہوتا ہے، بہترین غذاؤں سے دستر خوان بھرا رہتا ہے، میوہ مٹھائی روز کی غذا بن جاتی ہے، ہر قسم کے ماکولات، مشروبات، ملبوسات نصیب رہتے ہیں، دستر کا لباس الگ، دفتر کا لباس الگ، بستر کا لباس الگ ہو جاتا ہے، مکانات، دوکانات، باغات موجود رہتے ہیں، سواریاں، گاڑیاں اور ہوائی جہاز حاضر رہتے ہیں، گھروں میں صوفے، گدے پڑے رہتے ہیں، اسمبلی کی سیٹوں پر قبضہ ہو جاتا ہے، پارلیمنٹ اپنی بن جاتی ہے، وزارت کی کرسی بھی نصیب ہو جاتی ہے، بلکہ صدارت کا تخت بھی قبضہ میں آجاتا ہے۔ الغرض ان نعمتوں کی بارش اتنی ہوتی ہے کہ نعمتوں کا دینے والا آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

سادہ تمثیل

مگر بھائیو! نعمتوں کے تین اعتبارات ہیں، ایک یہ کہ نعمت خود ہی عذاب الٰہی ہے، صورت قہر ہے، بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے لیکن آپ ایک سادہ

تمثیل پر غور کریں کہ مچھلی پکڑنے کیلئے شکاری گل لیتا ہے اس کو ڈور باندھ دیتا ہے، پھر چھڑی سے باندھ دیا جاتا ہے، پھر شکاری کنویں یا تالاب یا ندی کے کنارے بیٹھ جاتا ہے، اپنے ساتھ کیچوے رکھتا ہے، جو مچھلیوں کی مرغوب غذا ہے۔ مینڈکی یا مچھلی لگا کر بڑی مچھلیوں کا شکار کرتا ہے، اب بتلائیے کہ مچھلیوں کیلئے یہ مرغوب غذا یعنی نعمت ہی مصیبت یا عذاب نہیں ہے؟ لہٰذا یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا کی ہر نعمت کافروں کیلئے، مشرکوں کیلئے، ملحدوں اور بد دینوں کیلئے عذاب الٰہی ہے نعمت کا دوسرا اعتبار یہ ہے کہ کفارہ سیئات ہوتی ہے اور نعمتوں کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ ترقی درجات کا سبب ہوتی ہے۔

مصیبت کے تین پہلو

جس طرح نعمت کے تین اعتبارات ہیں، اسی طرح مصیبت کے تین پہلوؤں کو اجاگر فرمایا گیا ہے۔ مصیبت کے تین پہلو ہیں، ایک یہ کہ وہ مصیبت عذاب الٰہی ہوتی ہے، ہر کافر و مشرک اور ملحد و منافق کیلئے مصیبت عذاب ہے، دوسرے یہ کہ فاسق و فاجر انسانوں کیلئے کفارہ سیئات ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مصائب دیکر انسان کے گناہ معاف کر دیتے ہیں، تیسرے یہ کہ صالحین، شہداء اور صدیقین اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اوپر آنے والے مصائب ان کیلئے ترقی درجات کا سبب بنتے ہیں۔

سادہ مثال

ایک ماں جس کے بچے کو غلاظت لگ گئی ہے وہ اپنے بچے کو پیروں پر لٹا لیتی ہے، صابن اور گرم گرم پانی ڈال کر زور زور سے ملتی اور رگڑتی ہے، بچہ ہے کہ چیخیں مارتا ہے مگر کیا مجال کہ ماں خاموش بیٹھ جائے۔ محلہ کی عورتیں طعنہ دیتی ہیں کہ کتنی سنگ دل ماں ہے، بچے کو رلا رہی ہے لیکن ماں کسی کی پروانہ نہیں کرتی، جب بچہ کی غلاظت دور ہو جاتی ہے تو وہ ملنا رگڑنا چھوڑ دیتی ہے۔ دیکھئے ماں اپنے بچے کی

غلاظت برداشت نہیں کرسکتی اوراس کو پاک وصاف کئے بغیر نہیں رہتی تو پھر اللہ تعالیٰ جو ستر ماؤں سے زیادہ محبت رکھتا ہے وہ اپنے بندوں کی ناپاکی کیسے برداشت کرے گا، لہٰذا مصیبت، آزمائش، پریشانیاں، تکالیف اور امراض یہ رگڑا ہیں، جنکے ذریعہ مسلمان پاک وصاف کیا جاتا ہے، اس لئے راحت اور مصیبت کے ان مذکورہ دونوں پہلوؤں کو خوب سمجھ کر ان کے تقاضوں کو سمجھنا چاہئے اب ہم سلسلہ کمالیہ کی تعلیم کا ایک اچھوتا پہلو پیش کر کے بات ختم کریں گے۔

مصیبت میں انسان یہ چاہتا ہے کہ اس پر کوئی مصیبت نہ آئے اور اگر آئے تو فوری دور ہو جائے، تھوڑی سی تکلیف بھی ہو تو اس کا بہت زیادہ بدلہ ملے یہی چیز صبر سے حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ ہم نے مصائب اور مشکلات اور اس پر صبر اور اس کا اجر اپنی علیحدہ کتاب ''زندگی میں غم کیوں؟'' میں بہت تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے یہاں ان کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ جن کو تفصیل مطلوب ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ فرمالیں۔ یہاں صرف تحصیل صبر کا طریقہ لکھ دیتے ہیں، مصیبت اور غم کے وقت اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھے اور اس کا ورد کرے اور دل کو اس کے معنی کے تصور میں مشغول رکھے کہ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں اور مالک کو اپنی مملوک میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے۔ غلام کو چاہئے کہ اپنے مالک کے تصرف پر راضی رہے، نیز یہ بات بھی اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ جذبات نفسانی اور خواہشات انسانی کو کمزور کرنا صبر کی تحصیل کا طریقہ ہے۔

مالک حقیقی کے دو قاصد اور ان کا استقبال

دنیا کے سارے واقعات مقدرات کے تحت چل رہے ہیں، یہ مقدرات دو طرح کے ہیں، ایک عطا دوسرا منع۔ کسی نعمت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنا عطا ہے جیسے صحت، کشادگی راحت وغیرہ۔ اور اللہ کی طرف سے کسی چیز کا نہ ملنا، اس کو منع سے تعبیر

کیا جاتا ہے، جیسے صحت نہ ملے، اولاد نہ ملے، کشادگی نہ ملے، راحت نہ ملے، ظاہر ہے جب پہلی قسم نہ ہوگی تو دوسری قسم ہوگی یعنی بیماری تنگی مصیبت وغیرہ۔

خصوصی اسباب سے خصوصی نتیجہ عام طور پر نکلتا ہے جیسے غذا کے استعمال سے صحت اور بے اعتدالی سے بیماری۔ لیکن یہ اسباب بالذات موثر نہیں بلکہ موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں، جیسے بلب اور روشنی۔ اس کا ماخذ نہ ہولڈر ہے نہ کھٹکا، نہ فیوز کا تار نہ محلّہ کا برقی اسٹیشن بلکہ روشنی اس برقی رو کی وجہ سے ہے جو صدر خزانے سے نکل کر مختلف ذرائع سے بلب تک پہنچ رہی ہے۔ اسی طرح ہر واقعہ ہر معاملہ اسباب کا زنجیری سلسلہ ہے، جس کا آخری سرا خدا کے ہاتھ میں ہے۔

دوسری مثال

کسی کو پیٹ کا درد ہوا اب لوگوں کو سبب کی تلاش ہوئی وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ فلاں غذا ئی کھائی گئی اور اس غذا میں بداحتیاطی سے یا فلاں چیز کھانے سے ایسا ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ پیٹ کے درد کا وہ سبب بنا ہو مگر وہی سبب تو کچھ بھی نہیں ورنہ ہر کھانے والے کے پیٹ میں درد ہونا چاہئے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چیزوں کی تاثیرات ذاتی نہیں بلکہ حاکم مطلق کے زیر اثر ہیں۔ یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں، اللہ سے اجازت مانگتے ہیں جب انہیں اذن ملتا ہے تو خاصیت دکھاتے ہیں ورنہ نہیں۔ تو اب معلوم ہوا کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں، موثر حقیقی حق تعالیٰ ہیں، تو عطا و منع ان کی طرف سے ہیں، گویا یہ دونوں اپنے مالک کے قاصد ہیں۔

شاندار استقبال کیجئے

اور آپ جانتے ہیں کہ بھیجنے والا جس حیثیت کا ہوتا ہے اسی حیثیت سے اس کے قاصدوں کا استقبال ہوتا ہے، عطا کا استقبال شکر سے کرنا پڑتا ہے، اس مہمان کو

اپنے پاس رکھنے کے آداب یہ ہیں۔

(۱) زبان سے اَللّٰھُمَّ لَکَ الحَمدُ وَلَکَ الشُّکر ،جیسے کلمات کے ذریعہ حق تعالیٰ کا شکر بجالانا جسے لسانی شکر کہتے ہیں۔

(۲) دل سے اللہ تعالیٰ کو منعم حقیقی اور معطی حقیقی جاننا اور دل کا جذبات شکر سے لبریز ہوجانا جسے شکر قلبی کہتے ہیں۔

(۳) تیسرے شکر حقیقی ہے اس میں انعام واحسان کرنے والے کی جانب سے دی جانے والی چیز کو صحیح استعمال کرنا چاہئے، اس مہمان کو اپنے پاس رکھنے کا بڑا ادب یہ ہے کہ اس کو حدود شریعت میں رکھا جائے اور استعمال کیا جائے۔

دوسرا قاصد

مالک حقیقی کا جو دوسرا قاصد ہے منع ہے۔ اس قاصد کے استعمال کرنے کا جہاں تک تعلق ہے بھیجنے والے کے منشاء کے مطابق اس قاصد سے سلوک کرنا استقبال کے منافی نہیں مگر چونکہ اللہ ہی نے فرمایا ہے لَاتُلقُوا بِاَیدِیکُم اِلَی التَّھلُکَۃِ ۔تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو اس لئے اس قاصد کے استقبال کرنے میں تھوڑی سی نزاکت ہے، ہاں اس قاصد کا استقبال صبر سے کرنا چاہئے، بڑا ادب یہ ہے کہ اس کے دفع کی جو تدبیریں کی جائیں گی وہ تحت شریعت ہونگی اس کے اہم آداب یہ ہیں:

(۱) تقدیر کا شکوہ نہ کریں۔

(۲) عوام الناس کی طرح پریشان نہ ہوں۔

(۳) ہوش وحواس گم نہ کردیں۔

(۴) گناہوں کا ارتکاب نہ کریں۔

(۵) اس قاصد کو بھی من اللہ سمجھیں۔

(٦) مصیبت کی وجہ سے کسی خیر کا ارادہ ترک نہ کریں۔

(۷) مصیبت کو من اللہ سمجھ کو ہنسی خوشی برداشت کریں جیسے حضرت ایوبؑ وغیرہ۔

(۸) مستقل مزاجی سے حق پر جمے رہنا ضروری ہے، اس کیلئے خصوصاً حضرت ابراہیمؑ اور آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حالات اور صبر و ثابت قدمی کے واقعات پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں۔

اوپر سے جو کچھ باتیں بتلائی اور سمجھائی جا رہی ہیں اس پر نظر رکھنے اور فکر و عمل کے دونوں پہلوؤں پر رکھنے اور تقاضے پر عمل کرنے سے زندگی چین و سکون سے بسر ہوگی۔

لا الٰہ الا اللہ　　محمد رسول اللہ

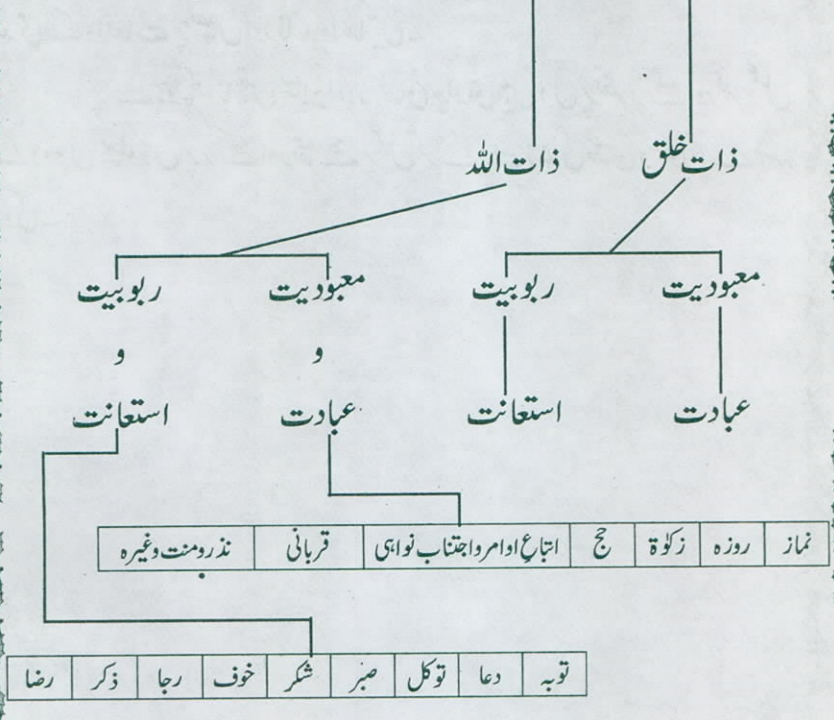

سلوک الی اللہ